

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ



صلَّى اللّٰهُ عَلٰيْهِ وَسَلَّمَ



چراغ جلتے ہیں

شام ڈھلنے لگے درود پڑھو
 جب بھی مشکل پڑے درود پڑھو
 منزليس پاؤں چوم لیتی ہیں
 آگے بڑھتے ہوئے درود پڑھو
 نعت کہنی ہو بے مثال اگر
 نعت کہتے ہوئے درود پڑھو

میں جانتا ہوں کسی روز ٹوٹ جائیں گی
ابھی جو چلتی ہیں سانسیں تمام تیرے لئے

مرے خیال کی حد بھی افق سے آگے ہے
غبار دُھندا یہ راہیں تمام تیرے لئے

کبھی کبھی تو ہواوں میں پھیل جاتی ہیں
مرے خیال کی بانیں تمام تیرے لئے

اب آسمان کی جانب لپکتی جاتی ہیں
درختِ جاں کی یہ شاخیں تمام تیرے لئے

ترے ہی ذکر کی لے پر یہ رقص کرتی ہیں
ہوا کے دوش پہ لہریں تمام تیرے لئے



چراغ جلتے ہیں

افتخار شاہد ابوسعد



ردیف قافیے بھریں تمام تیرے لئے
یہ نظم شعر یہ غزلیں تمام تیرے لئے
یہ فاصلے بھی ترے قرب کی علامت ہیں
وصال رت کی یہ شامیں تمام تیرے لئے

artwork

اب مجھے ٹوٹنے کی خواہش ہے
اب مجھے بے شمار ہونا ہے



اب مجھے چاک گھمانے کا ہنر آتا ہے
میں تری شکل کا اک اور بنا سکتا ہوں



ہم کو بھی مراسم کا سلیقہ نہیں آیا
یاروں نے بھی دیوار اٹھا رکھی ہے دل میں



بھی سورج کو اپنا کہہ رہے ہیں
دینے کو پوچھتا کوئی نہیں ہے
تعجب ہے جدھر ہم جا رہے ہیں
اوھر تو راستہ کوئی نہیں ہے
اجالے قتل ہوتے جا رہے ہیں
ہوا کو روکتا کوئی نہیں ہے



تکلم آشنا ہے خامشی بھی
سنو گے تو یہ گونگی بولتی ہے

محبوب صابر 11 نومبر 2020 - سیالکوٹ

خوبصورت لوگوں کی نذر

خوبصورت کتابیں

آرٹ ورک ڈسکنٹ

اہتمام: عامر جاوید

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔



ضابطہ

اشاعت :	2020
ناشر :	آرٹ ورک ڈسکنٹ
کمپوزنگ :	عامر جاوید
ٹائلشل :	عامر جاوید
بار اول :	500

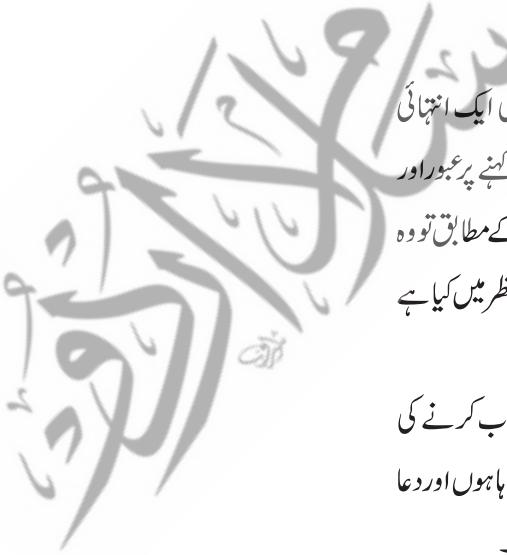
شاعری اور نشر کی کتابوں کی اشاعت کے لئے رابطہ

artwork
Graphic Designer & Printer

Press Market, Sambrial Road Daska - T. 0300-6499090

انتساب

امی اور ابَا کے نام



کے خال و خد کی تزکیٰں و آرائش کے ہنر سے بھی آشنا ہے۔ اُس کے ہاں ملفووف رومان پپوری معاشرتی رسم و رواج اور مشرقی روایات کو اوڑھے کسی شرمیلی مگر دل پھینک اور عیاش دو شیزہ کی صورت اپنے بدن کے دل آؤز خطوط کی نمائش کرتے ہوئے نظر آتی ہے۔

افخار شاہد کا رومانوی احساسِ جمالِ داخلي اور خارجي کیفیات کا ایسا حسین اور دلش امترانج ہے جسے وہ خود پر طاری کر کے اُس کا بھر پورا ظہار بھی کرتا ہے۔ افخار شاہد کا قامتِ شعری اس لئے بھی بالا ہے کہ وہ انسانی نفسیات اور جلیٰ تقاضوں سے پوری طرح واقف ہے۔ اُس کی شاعری کا کیوں اگرچہ بہت کشاوہ نہیں ہے مگر اُس پر وہ جو بھی تصویر بناتا ہے اُس کے خدو خال میں رتی برابر بھی ابہام یاد ہندلاپن نہیں۔

"چراغ جلتے ہیں" مشق و ریاضت کی دوامیت اور عشقِ شعر کی ایک انتہائی دلش اور رنگوں بھری تصویر ہے۔ افخار شاہد نے ثابت کر دیا کہ وہ عمده غزل کہنے پر عبور اور دسترس ہی نہیں کمال رکھتے ہیں۔ میرے شعری استحسان اور انتقادی شعور کے مطابق تو وہ ایک ثقہ و جاندار شاعر ہیں۔ افخار شاہد آپ ایسے سلیمِ عقل اور فطیں قاری کی نظر میں کیا ہے اس کا فیصلہ آپ "چراغ جلتے ہیں" کہ مطالعہ کے بعد خود کبجے گا۔

یوں تو "چراغ جلتے ہیں" کا ہر شعر ہی قابل ذکر ہے اور قاری کی توجہ جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ میں اپنے ذوق کے مطابق چند اشعار کا انتخاب پیش کر رہا ہوں اور دعا گو ہوں کہ خداۓ حرف و سخن افخار شاہد کے رزقِ سخن میں اور اضافہ فرمائے۔

بستی کے لوگ خانہ خرابی پہ تل گئے
تیری نظر کا ایک اشارہ تھا اور بس
دشت وفا میں تیر ہواں کے درمیاں
جلتا ہوا چراغ ہمارا تھا اور بس

تاریکیوں سے برس رپیکار ایک شخص

محبوب صابر

شاعر ہونا مجھے خود ایک فضیلت کی بات ہے۔ یہ الفاظ و بیان کے سحر اور قوتِ مختلیہ سے متصف ہوتی ہے۔ جمالیاتی احساس جس کی مختلف جہات ہیں شاعری ان میں سب سے موثر اور طاقت ور ترین اظہار ہے۔ انسان کے اندر موجود کیفیات میں شاعری استلدہ از کی پاکیزہ روح پھونک دیتی ہے اسی لئے قدرت جسے اس وصف سے مزمن کرتی ہے وہ اسی اختصاص کی بناء پر دیگر نبی نواع انسان میں اہم اور معتبر گردانا جاتا ہے۔ میرے سامنے افتخار شاہد کی شاعری کی کتاب "چراغ جلتے ہیں" کا مسودہ پڑا ہوا ہے۔ اس کا انتقادی مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اُن کا فکری اور جمالیاتی تخلی نہ صرف رفتہ اور اک کوچھور ہا ہے بلکہ وہ اس پر اپنی فنی پیشگوئی کا بھی دلکش اور جاذب نظر پر چم ایستادہ کیے ہوئے ہیں۔

افتخار شاہد غزل گو شعراء کے جھوم میں اپنی ایڑیاں اٹھائے بغیر دور سے نظر آ رہا ہے۔ اُس کی آنکھیں سوچتی ہی نہیں بلکہ سوچ کی کئی پر تین گھول کر ایک حیرت و طسمات کا ارٹنگ کھونے پر بھی اصرار کرتی ہیں۔ افتخار شاہد کن کن عذابوں کو جھیل کر لفظوں کو نوں کرتا ہے اُسی کی ایک جملک "چراغ جلتے ہیں" میں صاف دکھائی دیتی ہے۔ میں نے تو افتخار شاہد کی غزل کو بین السطور بھی پڑھا ہے اور اُس کی شخصیت کا بھی عمیق مطالعہ کیا ہے۔ اُس کے ساتھ کئی مشاعروں اور شعری نشتوں کے علاوہ بھی ملاقاتوں کا بھی ایک طویل سلسلہ ہے۔ وہ نہ صرف عصرِ حاضر کی ایک معتبر اور مؤثر شعری آواز ہے بلکہ ابلاغ و ترسیل پر بھی مکمل دسترس رکھتا ہے۔

اُس کی شاعری میں نہ لکھت اظہار کا جھول ہے اور نہ ٹھلیں بیان کا عیب ہے۔ اُس کے شعروں کا بہاؤ خشن مسلسل کا سا ہے جس میں معنوی تعقید ہے اور نہ لفظی تعقیب، وہ زبان و بیان اور الفاظ کی تقدیس و احترام سے بھی بہرہ و دکھائی دیتا ہے اور شعری محاسن

اُس مالک کے در سے آس لگائی ہے
جس کے گھر میں دیر تو ہے اندھیر نہیں

ترتیب

13	اپنی بات
15	محبوب صابر
غزلیں	
18	ردیف قافیے بھریں تمام تیرے لئے
20	شام ڈھلنے لگے درود پڑھو
22	مصلوب ہوں یا سرچڑھے نیزے کی نوک پر
24	درِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا رسٹہ دھائی دیتا ہے
26	رکھا ہوا تھا آج تک اس کو سننجال کے
28	برسات نے اک آگ لگا رکھی ہے
30	اپنے جذبوں کو یوں جلا دی ہے
32	کونپل کا پھوٹنا ہی شجر کی دلیل ہے
34	میں آئینے کو ذرا سا گھما کے دیکھتا ہوں
36	جس شخص کو پانے کا رامان زیادہ
38	گھلتے ہیں میری آنکھ پر اسرار خواب میں
40	یہ سوچا ہے کہ مر جائیں تمہارے وار سے پہلے

دکھ دینے کے لئے کچھ بد بخت شعرا کو مأمور کیا کہ وہ (نعمۃ باللہ) آپ کی ہجوں لکھیں تو بارگاہ نبوت سے صحابہ کرام کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ آگے بڑھیں اور نبی پاک کی شان میں نعمت لکھ کر کافروں کو منہ توڑ جواب دیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خواہش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے عمل کے نتیجے میں ہی شاعر رسول حسان بن ثابت سامنے آئے اور شان نبوت میں بے مثال اور لازوال نعمتیں تخلیق کر کے دشمنوں کے منہ بند کر دیئے شاعری کے حق میں اس سے بڑی کوئی اور دلیل نہیں دی جاسکتی۔

یہاں مسئلہ یہ ہے ہم لوگوں کو سمجھ ذرا دیر سے آتی ہے زندگی اس سے کچھ بڑھ کر ہے جو ہم گزار رہے ہیں یا جو ہم سمجھ رہے ہیں رہن سہن، کھانا پینا، سانس لینا، جگائی کرنا، بھاں بھاں کرنا، یہ تو جانور بھی کر رہے ہیں شاعری سانس لینے کا نام نہیں، شاعری اس سے بھی کچھ سوا ہے شاکر گوں میں دوڑتے لہو کی نبضیں ٹوٹنے کا نام شاعری ہے یا پھر پارے کا جگر چاک کرنے کا نام شاعری ہے، یا پھر زمین کو کھو دکر نقچ کے باراً اور ہونے کے عمل کا مشاہدہ کرنے کا نام شاعری ہے لفظوں کی اکھاڑ پچاڑ کرنے والے تو ایک ڈھونڈ وہزار ملتے ہیں۔

افتخار شاہد ابو سعد

10 نومبر 2020

کینال ویوٹاؤن ڈسکن

فون: 0300 8644566

اپنی بات

خالقِ کائنات نے انسان کو اشرفِ اخلاق و اخلاقیات بنایا اور اسے بے شمار صفات اور گونا گوں صلاحیتوں سے بہرہ مند فرمائ کر دیگر تمام مخلوقات پر برتری عطا فرمائی۔ شاعری بھی ایک خداداد صلاحیت ہے جو اللہ پاک معاشرے کے منتخب افراد کو عطا کرتا ہے شاعر معاشرے کا بنا پڑ ہوتا ہے اور ایک طرف تو مسائل کی نشاندہی کرتا ہے اور دوسری طرف ان مسائل سے نجات کا حل بتاتا ہے جس بات کو بیان کرنے کے لئے گھنٹوں درکار ہوں اور صفات کے صفات کا لے کرنے پڑتے ہوں شاعر اس بات کو ایک یا پھر دو مصروفوں میں وضاحت اور صراحة کے ساتھ بیان کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور وہ بھی ایسی ہنرمندی اور چاہک دستی کے ساتھ کہ سننے والے عش عش کر اٹھیں قوموں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں شاعری اہم کردار ادا کرتی ہے اور راستے متعین کرنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ علامہ اقبال کے کلام نے مسلمانانِ ہند کے دل میں آزادی کی شمع فروزان کی۔

میری رائے میں شاعری کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہو گی جتنا کہ خود انسان قدیم ہے تاریخ کامطالعہ کیا جائے تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ میلیوں ٹھیلوں اور تھوا روں کے موقع پر شعراء لوگوں کو محظوظ کرنے اور جنگلوں کے موقع پر سپاہ کا حوصلہ بڑھانے کے لئے شاعری کا استعمال کیا کرتے تھے۔

مفتيانِ قوم اگر مجھے اجازت دیں تو میں یہاں اس بات کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں کہ جب کافروں اور زندیقوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو زج کرنے اور

42	13 چ کے بد لے میں کیا ملا ہوگا
44	14 آئینے کا کمال کیا شئے ہے
46	15 فلک پہ جتنے ستارے تھے مر گئے چپ چاپ
48	16 ایسی ظلمت میں دکھائی نہیں دینے والا
50	17 کسے خرچی سمندر بھی خار کھائے گا
52	18 یہ درد اگر حد سے گزر جائے تو اچھا ہے
54	19 سفر کو معتبر ایسے بنالیا جائے
56	20 اپنے سولہ سنگھار پھولوں کو
58	21 ہم نے اشکوں کو ٹال رکھا ہے
60	22 چلتے چلتے کٹ گیا کتنا سفر کس کو خبر
62	23 گرہستی بھول جاتے ہیں گھرانہ بھول جاتے ہیں
64	24 یہ کیسا خواب سامنظر دکھائی دیتا ہے
66	25 دل بدگماں ہے فیصلہ اچھا نہیں ہوا
68	26 دنیا والوں سے سہولت سے گزارا ہوتا
70	27 اے میرے بیقرار دل ذرا سنبھل
72	28 ترے خیال سے آئے ہیں تیری بستی میں

74	29	معدوم جو ہونے لگے آثار ہمارے
76	30	نظر وں نے دل میں عکس اتارا تھا اور بس
78	31	آخری فیصلہ تو ہونا ہے
80	32	سوچوں کا انبار اٹھائے پھرتے ہیں
82	33	اپنی روزن سے لگی آنکھ ہٹا سکتا ہوں
84	34	نگارخانہ، ہستی میں ہے قرار مجھے
86	35	دکھ درد چھپائے رقص کیا
89	36	آنکھ کی جھیل میں جگنو کیسے
91	37	اب بھی کام کر لیا جائے
93	38	اگرچہ آسر کوئی نہیں ہے
95	39	عشق آباد بھی گھر تیرے ویراں نکلے
97	40	ہمیں یہ رات کیسے کاٹنی ہے
99	41	چاک الٹا گھمانیں سکتی
101	42	رت جگا تھا شراب پی ہم نے
102	43	وہ باب جس میں میری وفاوں کا ذکر تھا
104	44	صدائے شوق سکوتِ بھی سے شرمندہ

167	77	زیر پاء آسمان دیکھو تو
168	78	اتی حیرت سے دیکھتا کیا ہے
171	79	بر ملا تو کبھی کہا ہی نہیں
173	80	ہم ہیں تہائی ہے اور حالِ زبوں ہے یوں ہے
175	81	وہ خواب یا خیال ہے میں جان لوں تو
177	82	علاج غم کیا کوئی نہیں نہیں ابھی نہیں
179	83	مرا پہلو تر اندازِ نظر جانتا ہے
181	84	ہواۓ شام ذرا ساقیاں ہو گانا
183	85	ڈھلنے والا یہ آفتاب نہیں
185	86	ہواۓ شام چلے تو چراغ جلتے ہیں
187	87	تو جواتی دھائی دیتا ہے
189	88	جمالِ حُسن سے بڑھ کر کوئی جمال نہیں
191	89	بولتا انکار بھی سمجھا گیا
193	90	میں رقص کرتا ہوا گیت گُنگُنا تا ہوا
195	91	میری شاعری میرا انتخاب

136	بچھڑتے وقت اسے مسکرا کے دیکھ تو لوں	61
138	اس قدر دل ہے بے لپیں گویا	62
139	جون ہی ہو، تم سفرِ محبت میں	63
141	جستجوئے کمال رکھتا ہوں	64
143	عشق بھی کیا ہے عاشقی کیا ہے	65
145	لگے گا ایک زمانہ تجھے بتانے میں	66
147	کبھی فریب سے لوٹا کبھی بہانے سے	67
149	اس کے دامن میں جانے کیا کیا تھا	68
151	آگ ہر سو لگی ہوئی ہے میاں	69
153	مری زمیں ہے مجھے ہی غبار کرنے دے	70
155	دروہی درمان ہونے جا رہا ہے	71
157	اب مراراستہ ہے پتھر کا	72
159	ہم نے اشکوں کوٹال رکھا ہے	73
161	دل مرایقرا رتھا ہی نہیں	74
163	کہیں کچھ کم نہیں ہے تم نہیں ہو	75
165	تعلق توڑ کر سب سے کنارہ کر لیا جائے	76

45	اک لفظ ترے ریشمی پیجان میں رکھا
46	دھرتی کی آسمان کی زمینوں کی خیر ہو
47	تو آج کیوں نہ کسی خوش ادا سے بات کریں
48	اٹھا ہوں اس لئے میں خاکدار سے
49	درود یوار و مکاں زلزلوں کی زد میں ہیں
50	درد پہلو سے جو نکلا ہے تو سرتک پہنچا
51	وہ کوئی آبشار تھا کیا تھا
52	قدموں نکلے میں سارا سمندر لئے ہوئے
53	اک روگ نیادل کو لا لوں تو چلوں
54	یہ جو اتنا غبار ہے مجھ میں
55	یعنی ترے مزاج کا یارا نہیں بھی تھا
56	دل مرایاں شہر میں لگتا نہیں
57	ہم ایسی ضیاؤں کی تمنا نہیں کرتے
58	روزو شب کا خمار گم گشتہ
59	عاجزانہ سلام لکھ دینا
60	اپنے حصے کا یہ آزار لئے پھرتے ہیں

راستہ جب نظر نہ آئے کوئی
حد سے الجھن بڑھے درود پڑھو

تیز آندھی ہو تیز بارش ہو
دیپ جلتا رہے درود پڑھو

آخری وقت جب قریب آئے
نبض رکنے لگے، درود پڑھو

میرے آقا کا ذکر ہو شاہد
چاہے کوئی کرے درود پڑھو



یہ سوچا ہے کہ مر جائیں تمہارے وار سے پہلے
تمہاری جیت ہو جائے ہماری ہار سے پہلے
کسی لمحے تمہارا وار کاری ہو بھی سکتا ہے
مگر یہ سر ہی جائے گا مری دستار سے پہلے
بتا کتنا گرا سکتا ہوں خود کو تیری خواہش پر
مرا معیار بھی تو ہے ترے معیار سے پہلے

سائے کو اب ترستا رہے گا مرا وجود
کالئے ہیں پچھلی رات بھی اشجارِ خواب میں

آنکھیں ہماری ایک ہی منظر پہ جم گئیں
رک ہی گئی تھی وقت کی رفتارِ خواب میں

میرا لباسِ خون کے چھینٹوں سے بھر گیا
خود سے رہا ہوں بر سر پیکارِ خواب میں

سویا پڑا ہے آج وہ مٹی کے ڈھیر پر
دیکھی تو ہوں گی کوٹھیاں اور کارِ خواب میں

کل رات آسمان کی چادر ہی پھاڑ دی
پھر چاند کو بھی میں نے دیا مارِ خواب میں

◎
نذرِ حسین

مصلوب ہوں یا سر چڑھے نیزے کی نوک پر
بیعت نہ ہم کریں گے کبھی بھی یزید کی

ہر بار جب بھی ظلم کی رہی ہوئی دراز
ہر بار میں نے اس کی مذمت شدید کی

اہل چمن کی آج نئی آن بان ہے
سرخی گلوں میں آگئی خون شہید کی

جب مجھ کو ہر طرف سے سمندر نے آ لیا
میں نے تمہارے نام کی کشتی خرید کی

رتبہ اسے خدا نے بلندی کا دے دیا
نبیوں کے بعد آئے گی باری شہید کی

ہر دور میں حسین کا پرچم رہا بلند
ہر دور نے یزید کی مٹی پلید کی



کھلتے ہیں میری آنکھ پر اسرار خواب میں
رہنے لگا ہوں روز ہی بیدار خواب میں
صلی علی کا ورد ہے سونے سے پیشتر
شايد کبھی ہو آمدِ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں

هر شخص یہاں پھرتا ہے تلوار اٹھائے
رہتے ہیں مرے شہر میں "انسان" زیادہ

سیلاب نے گھر بار مرا تاک لیا ہے
اس سال بھی پہلے سے ہے نقصان زیادہ

آباد رہیں شہر مدینہ تری گلیاں
برڑھتی ہی رہے اور تری شان زیادہ

اس بار سیاست کے ہیں انداز نرالے
اس بار بھی لٹنے کا ہے امکان زیادہ
پھر کوئی نیا روگ لگا بیٹھے ہو شاہد
لکتے ہو مری جان پریشان زیادہ



درِ حبیب کا رستہ دکھائی دیتا ہے
ہزار شکر ہے اتنا دکھائی دیتا ہے
ہم اپنی آنکھ کا شہتیر دیکھتے ہی نہیں
کسی کی آنکھ کا تنکا دکھائی دیتا ہے
کوئی تو آگ سلگتی ہے اس کے سینے میں
دھواں دھواں سا جو چہرا دکھائی دیتا ہے

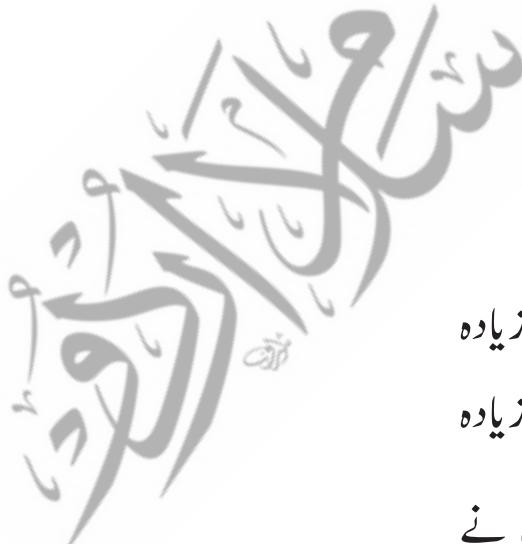
نہ جانے کتنے شہیدوں کا خون شامل ہے
چمن جو آج مہکتا دکھائی دیتا ہے

خزاں کی دست برد سے اسے بچانا ہے
کہیں کہیں پہ جو سبزہ دکھائی دیتا ہے

مرے چراغ سے برسوں جو فیض یاب ہوا
مرے چراغ سے "جلتا" دکھائی دیتا ہے

تمام رفتہ مناظر نظر میں زندہ ہیں
ہمیں تو آج بھی اچھا دکھائی دیتا ہے

مری اڑان فلک سے ذرا پرے تک ہے
کہ نیچے چاند چمکتا دکھائی دیتا ہے



جس شخص کو پانے کا ہو ارمان زیادہ
رہتا ہے جدائی کا بھی امکان زیادہ
غیروں سے مراسم بھی بڑھا رکھے ہیں اس نے
مجھ سے بھی کیے جاتا ہے پیمان زیادہ
کرتا ہے مرا رزق کشادہ میرا مولا
جس روز چلے آتے ہیں مہمان زیادہ

یہ چاند ہے یا فقط چاند کا ہیوی ہے
 میں اس کو جھیل سے باہر بلا کے دیکھتا ہوں
 نگاہِ ناز میں آنسو بھلے نہیں لگتے
 اے غمگسار تجھے میں ہنسا کے دیکھتا ہوں
 فلک کی کوکھ میں زخموں کے گھاؤ کتنے ہیں
 ذرا رکو میں ستارے بجھا کے دیکھتا ہوں
 یہ رنگ و نور کے چشمے کہاں سے پھوٹتے ہیں
 میں آسمان کی چادر ہٹا کے دیکھتا ہوں
 تو میرے قد کے برابر ہی آ سکے شاہد
 چلو میں خود کو بھی نیچے گرا کے دیکھتا ہوں



◎
 رکھا ہوا تھا آج تک اس کو سنبھال کے
 سینے سے کوئی لے گیا دل کو نکال کے

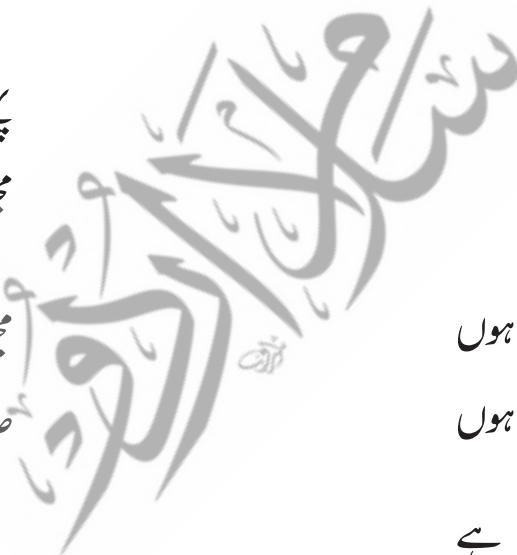
کچھ احتیاطِ عشق بھی پیش نظر رہی
 کچھ ان کا حکم تھا کہ ذرا دیکھ بھال کے

محفل پر رنگ و نور کی برسات کبھی
کچھ قہقہوں کے پھول فضا میں اچھال کے

ہم نے غزل کو آج نیا حسن دے دیا
تیرا جمال شعر کے پیکر میں ڈھال کے

پہلے تو باغبان کو کٹھرے میں لائیے
مجرم جو ڈھونڈنے ہیں چمن کے زوال کے

مجھ پر کرم کی ایک نظر ہو مرے خدا
صدقة رسول پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے



میں آئینے کو ذرا سا گھٹما کے دیکھتا ہوں
یا اپنے آپ کو پچھے ہٹا کے دیکھتا ہوں
نہ جانے کون سے پھلوں کو چھو کے آئی ہے
گلابی ہاتھ میں کالی ہوا کے دیکھتا ہوں
میں دستکوں کے ثمر سے تو خوب واقف ہوں
تجھے یہ ضد ہے تو در کو ہلا کے دیکھتا ہوں

دیوار ہی سے ہو کے گزرتے ہیں راستے
دیوار ہی تو دوستو در کی دلیل ہے

قرآنِ پاک ایک ہی لمحے میں سب پڑھیں
یہ پیش و جزم، زیر و زبر کی دلیل ہے

ہیں زیر آب سینکڑوں طوفان چھپے ہوئے
دریا کا یہ سکوت بھنوں کی دلیل ہے

جو پیڑسربند ہوں رہتے ہیں بانجھ ہی
شاخیں اگر جھکی ہوں شر کی دلیل ہے

دیکھے ہیں میں نے خواب میں تلوے جلے ہوئے
شاہد یہ میرے تازہ سفر کی دلیل ہے



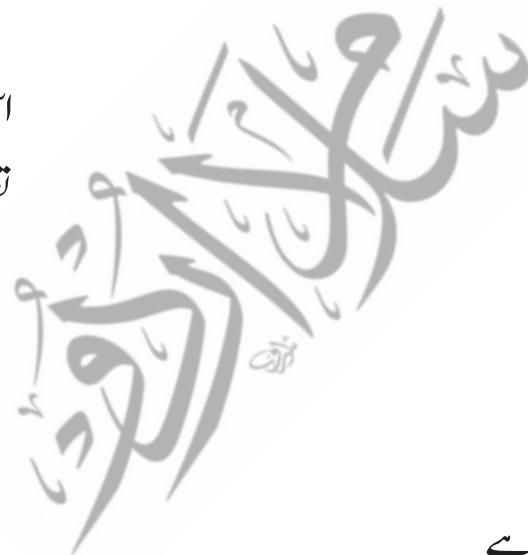
برسات نے اک آگ لگا رکھی ہے دل میں
یہ بات مگر ہم نے چھپا رکھی ہے دل میں

ہم کو بھی مراسم کا سلیقہ نہیں آیا
یاروں نے بھی دیوار اٹھا رکھی ہے دل میں

چہرے سے کوئی بھی نہیں ہوتی
جذبات نے ہلچل سی مچا رکھی ہے دل میں

ہر سانس میں شامل ہے ترے پیار کی خوشبو
اک یاد کی دھونی جو رما رکھی ہے دل میں

اس طور بھی آباد کیا ہے یہ خرابہ
تصویر تری ہم نے سجا رکھی ہے دل میں



کونپل کا پھوٹنا ہی شجر کی دلیل ہے
پہلی کرن وجودِ سحر کی دلیل ہے
میں نے غرورِ عشق کا سودا نہیں کیا
شانوں پر سر نہیں تو یہ سر کی دلیل ہے

شکریہ اے خدائے شعر و سخن
 تو نے تو بات ہی بنا دی ہے
 تیرے خط بھی گنوا دیئے میں نے
 تیری تصویر بھی جلا دی ہے
 ایک کھڑکی تو کھول دی میں نے
 اس پہ چلن مگر گرا دی ہے
 میں نے اک عمر تیری یادوں کے
 گلشنِ شوق میں پتا دی ہے
 اس میں میں ایک در بناوں گا
 تو نے دیوار جو اٹھا دی ہے
 شہر جلتا بھی دیکھئے شاہد
 آپ نے آگ تو لگا دی ہے



اپنے جذبوں کو یوں جلا دی ہے
 وصل کی آرزو مٹا دی ہے
 اب اسے بولنا سکھاؤں گا
 تیری تصویر تو بنا دی ہے
 میں نے جذبات کے درپچے پر
 درد کی بیل تو چڑھا دی ہے
 تیری یادوں کی ایک پکھر تھی
 دل کی دیوار سے ہٹا دی ہے
 اپنے دامن سے پونچھ کر آنکھیں
 پھر انہیں صبر کی ہوا دی ہے
 مجھ کو رازق نے رزق کی دولت
 میری سوچوں سے بھی سوا دی ہے

نطارہ ہائے دلش سے گزر جاتا تھا بیگانہ
 مگر اے قامتِ زیبا ترے دیدار سے پہلے
 ستاروں کی طرح چمکے ہمارے خون کے چھینٹے
 کہ ہم نے سر کٹایا ہے فرازِ دار سے پہلے

تلاطمِ خیز موجودوں سے مجھے لڑنا تو آتا ہے
 مگر میں ڈوب سکتا ہوں کبھی منجدِ حار سے پہلے
 تراہی عکسِ میری آنکھ کے تل میں فروزان ہے
 تجھے میں دیکھ سکتا ہوں ترے دیدار سے پہلے
 کہیں بھی جرم سے پہلے سزا واجب نہیں ہوتی
 کوئی کافر نہیں ہوتا مگر انکار سے پہلے

نئے امکان ڈھونڈے گی ہماری جستجو شاہد
 ہم اب کے در بنا نہیں گے مگر دیوار سے پہلے



○
 چلتے چلتے کٹ گیا کتنا سفرِ کس کو خبر
 پاؤں میں چھالے پڑے ہیں کس قدرِ کس کو خبر
 وہ نظرِ بس ایک لمحے کو اٹھی تھی اور پھر
 دل کی دنیا ہو گئی زیر و زبرِ کس کو خبر
 دیکھنے والی سبھی آنکھوں کو خیرہ کر گیا
 کس چلن سے چاند اترا بام پر کس کو خبر

شب ہجراء کا طول پوچھو تو
 ایک لمحے میں سال رکھا ہے
 تم شکاری نہیں ہو مان لیا
 یہ جو کمرے میں جاں رکھا ہے
 گانٹھ سر پہ اٹھائے پھرتے ہو
 گانٹھ میں کتنا مال رکھا ہے
 عیش و عشرت میں کھو گئے ایسے
 ہر ضرورت کو ٹال رکھا ہے
 اتنے کامل ہیں، تم سے ملنا بھی
 کتنے سالوں سے ٹال رکھا ہے
 گیند ہے ان کی کورٹ میں شاہد
 فیصلہ ان پہ ڈال رکھا ہے



چج کے بدے میں کیا ملا ہو گا
 عشق سوی پہ چڑھ گیا ہو گا
 اور آخر تو رو پڑی ہو گی
 حوصلہ تو بڑا کیا ہو گا
 اس نے پائل اتار لی ہو گی
 دھیرے دھیرے قدم دھرا ہو گا
 کس کے قدموں سے خاک مہکی ہے
 راستہ اب بھی سوچتا ہو گا
 کوئی تجھ سا حسین ہے ہی نہیں
 آئینہ سب سے بولتا ہو گا

اس کی پنڈلی کھلی جو پانی میں
چاند تو ڈوب ہی مرا ہو گا

 آج پوروں کا رنگ شہابی ہے
آج گالوں کو چھو لیا ہو گا

 یہ بھی سمجھو کہ مارنے والا
خود بھی اندر سے مر گیا ہو گا

 جس نے اپنا ضمیر بیچا ہے
مول اچھا ہی کچھ لگا ہو گا

 کوئی اپنوں کے زخم سہتا ہے
کوئی غیروں سے جا ملا ہو گا

 کوئی لوٹا نہیں سمندر سے
کوئی ساحل پہ مر گیا ہو گا

 دار کاری ہے جس قدر شاہد
میرے اپنوں نے یہ کیا ہو گا

◎

ہم نے اشکوں کو ڈال رکھا ہے
تیرا رستہ اجال رکھا ہے
ایک فولو ہے اور خط تیرے
جو اثنائے سنہjal رکھا ہے
اپنے حصے کی ساری خوشیوں کو
تیرے قدموں میں ڈال رکھا ہے
منتظر ہیں ترے اشارے کے
یعنی سکھ اچھا رکھا ہے
اپنی صورت بگاڑ لی ہم نے
تجھ کو اتنا سنہjal رکھا ہے

ان کے اندر کی آگ رکھتی ہے
ہر گھٹری بیقرار پھولوں کو

تقلیوں سے پریت ہے ان کی
ان پہ ہے اعتبار پھولوں کو

نگ کرتے ہیں خار بھی ان کو
ہے گلہ بے شمار پھولوں کو
میلی نظروں سے شوخ بھنوروں نے
کر دیا داغدار پھولوں کو

جب ضرورت ہو تب کھلیں شاہد
ہو اگر اختیار پھولوں کو

○
آئینے کا کمال کیا شئے ہے
تیرا حسن و جمال کیا شئے ہے
تیرا ملنا یا پھر بچھڑ جانا
ہجر کیا ہے وصال کیا شئے ہے
تیرے حسن و جمال کے آگے
سونا چاندی یا مال کیا شئے ہے
دھڑکنیں معتدل نہیں رہتیں
یہ تری مست چال کیا شئے ہے

کل بلندی بھی ناز کرتی تھی
آج اتنا زوال کیا شئے ہے

اُس کی آنکھوں میں نیلگوں کیا ہے
اُس کے چہرے پہ لال کیا شئے ہے

قص دل کا کبھی نہیں رکتا
دھڑکنوں کی یہ تال کیا شئے ہے

روز کرتا ہے شور سینے میں
اُس کو باہر نکال کیا شئے ہے
تیر نظروں کے جب چلے شاہد
اُن کے آگے یہ ڈھال کیا شئے ہے



اپنے سولہ سنگھار، پھولوں کو
گوریئے، دے ادھار پھولوں کو
آج بیٹھے وہ لان میں آ کر
کر دیا شرمسار پھولوں کو

خالی جوڑا یہ کہہ رہا ہے تمہیں
شاخ گل سے اتار پھولوں کو

سنا ہے ذوقِ سماعت بھی خوب ہے اس کا
تو ایک شعر اسے بھی سنا لیا جائے

ٹکتے اشک کہانی بیان کر دیں گے
ہزار درد دلوں میں چھپا لیا جائے

کسی کے غم کو کوئی بانٹ تو نہیں سکتا
یہی بہت ہے گلے سے لگا لیا جائے

اگر وہ معتبر ہوتا ہے اس طرح شاہد
ہمارے قد کو ذرا سا گھٹا لیا جائے

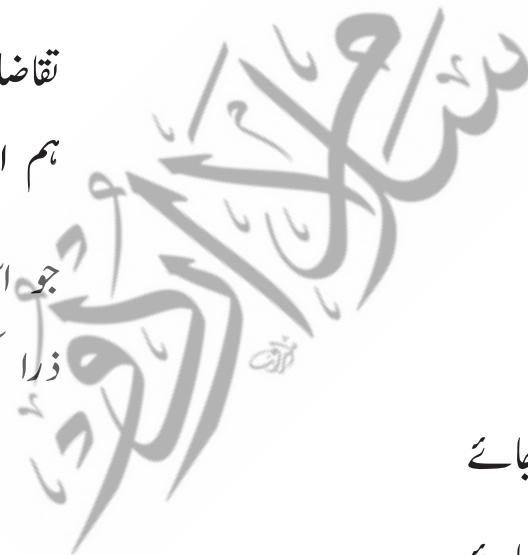
○
فلک پہ جتنے ستارے تھے مر گئے چپ چاپ
وہ میری شب کے سہارے کدھر گئے چپ چاپ
پھر ایک روز، تمبا کے پھول جتنے تھے
بدن کی شاخ سے اترے، بکھر گئے چپ چاپ

اگرچہ ایک تلاطم پا تھا آنکھوں میں
مگر وہ اشک جو دل میں اتر گئے چپ چاپ

لبون سے آج بھی حرف دعا نہیں نکلا
بس ایک سجدہ ترے در پر کر گئے چپ چاپ

تقاضا ہائے محبت یا دید کچھ بھی نہیں
ہم اپنی آنکھ ترے در پر دھر گئے چپ چاپ

جو اس نے ہنس کے بلا�ا تو جی اٹھے شاہد
ذرا بگڑ کے جو دیکھا تو مر گئے چپ چاپ



سفر کو معتر ایسے بنا لیا جائے
جو رُک گئے تھے انہیں بھی بلا لیا جائے

بس ایک فرض محبت میں رہ گیا باقی
تمہارا بوجھ بھی خود ہی اٹھا لیا جائے

بڑھ جائیں گے کچھ دن میں تری یاد کے ناخن

اب زخمِ جگر جلد ہی بھر جائے تو اچھا ہے

ایسا نہ ہو بستی ہی اُجڑ جائے کسی روز

جو درد کا دریا ہے اتر جائے تو اچھا ہے

اک شخص زیارت کو چلا آتا ہے شاہد

ویرانہ ذرا دیر سنور جائے تو اچھا ہے



ایسی ظلمت میں دکھائی نہیں دینے والا
ہاتھ کو ہاتھ سمجھائی نہیں دینے والا

شدتِ ضبط سے پلکوں کو جلا بیٹھا ہوں
پھر بھی میں کوئی ڈھائی نہیں دینے والا

اُس نے زنجیر کی لمبائی بڑھا دی لیکن
وہ مجھے اذن رہائی نہیں دینے والا

تم جو تاجر ہو محبت کو سمجھتے کیا ہو
تم کو یہ لعل دکھائی نہیں دینے والا

اب ترا ہجر اکیلے ہی منانا ہو گا
اب کوئی شخص بدھائی نہیں دینے والا

یعنی میں ہستے ہوئے دار پہ چڑھ جاؤں گا !

یعنی میں اپنی صفائی نہیں دینے والا!

مجھ کو یہ درد ریاضت سے ملا ہے شاہد
میں تجھے اپنی کمائی نہیں دینے والا

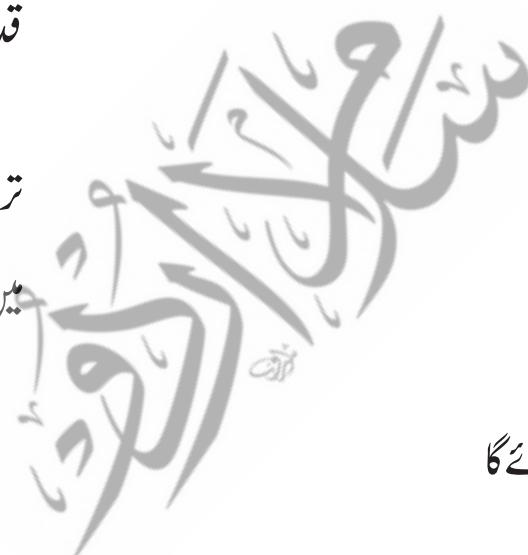


○
یہ درد اگر حد سے گزر جائے تو اچھا ہے
اک شخص ترے شہر میں مر جائے تو اچھا ہے
دیوار و در و بام پہ وحشت کو پہنے دو
دیوانہ اسی طور ہی گھر جائے تو اچھا ہے

دو چار اشک بہا لوں تو چین مل جائے
یہ دل کی آگ بھی بجھنے لگی ہے پانی سے

میں سوئے دار چلا ہوں کہ سوئے میخانہ
قدم جو اٹھنے لگے ہیں مرے روانی سے

ترے کرم سے ہوں دنیا میں معتبر مولا
میں جی رہا ہوں تو تیری ہی مہربانی سے



کسے خبر تھی سمندر بھی خار کھائے گا
تمہاری آنکھ کے شفاف نیلے پانی سے

میں اپنا آپ سمیٹوں گا اور چل دوں گا
مجھے نکال کے رکھنا مری کہانی سے

ایک سورج کی تمنا اور صدیوں کا سفر
سوختہ سامان جلتے بال و پر کس کو خبر

اے ہمارے شہر یا رِ شوق تجھ کو کیا خبر
کون کیسے ہو گیا ہے در بدر کس کو خبر

کیا فقط یہ چھاؤں دینے کی تمنا میں اُگے
وسعتِ صحراء میں جلتے سب شجر کس کو خبر

گرمی بازار سے بھی آنکھ پگھلی ہی نہیں
جانے کس کی منتظر تھی یہ نظر کس کو خبر

کب تک ہم رائیگانی میں گزرتے جائیں گے
کب تک ہے ناتماںی کا سفر کس کو خبر

سوچوں کا انبار اٹھائے پھرتے ہیں
ہم کتنا آزار اٹھائے پھرتے ہیں

ذہن و دل کے نقش میں کیسی دوری ہے
کیسی یہ دیوار اٹھائے پھرتے ہیں

چاند چھرا نظر ستارہ ہے
روپ کندن تو جسم سونا ہے

تھوڑے آنسو ادھار میں دے دو
میں نے سینے کا داغ ڈھونا ہے

خواب کے مخلیں جزیرے پر
اور کچھ دیر مجھ کو سونا ہے

اپنے اپنے ہی زخم سینے ہیں
اپنا اپنا ہی بوجھ ڈھونا ہے

تم یہ پتھر سمیٹ لو شاہد
زخم کو مندل تو ہونا ہے



گرہستی بھول جاتے ہیں گھرانا بھول جاتے ہیں
جو آوارہ پرندے ہوں ٹھکانا بھول جاتے ہیں

تری آنکھوں کی شمعیں جب فروزاں ہونے لگتی ہیں
ستارے آسمان پر جگگانا بھول جاتے ہیں

تمہارے حسن کی تمثیل ہے یہ شاعری لیکن
تمہارے سامنے تم کو سنانا بھول جاتے ہیں

ارادہ کر تو لیتے ہیں تمہیں ہم بھول جانے کا
مگر جب شام ڈھلتی ہے بھلانا بھول جاتے ہیں

خدا نے ہم کو بخشنا ہے عجب یہ حوصلہ یارو
نیا جب زخم لگتا ہے پرانا بھول جاتے ہیں

ہم اپنے یار کی روشن جبیں کو دیکھ کر شاہد
چراغوں کو منڈیروں پر جلانا بھول جاتے ہیں

آخری فیصلہ تو ہونا ہے
کس کو پانا ہے کس کو کھونا ہے

اب مجھے ٹوٹنے کی خواہش ہے
اب مجھے بے شمار ہونا ہے

قہقہے چیخ سے مشابہ ہیں
مسکراہٹ نہیں یہ رونا ہے

یہ اور باتِ نجمن آراء نہ ہو سکے
اک روز ورنہ خود کو سنوارا تھا اور بس

کل تک جبینِ شوق کا جھومر بنا رہا
ٹوٹا تو ایک پل کا ستارا تھا اور بس

اور آخرش تو دل سے کنارا ہی کر لیا
ویسے بھی اس سے اپنا گزارا تھا اور بس

بستی کے لوگ خانہ خرابی پہ تل گئے
تیری نظر کا ایک اشارا تھا اور بس
دشتِ وفا میں تیز ہواوں کے درمیاں
جلتا ہوا چراغ ہمارا تھا اور بس



یہ کیسا خواب سا منظرِ دکھائی دیتا ہے
مجھے وہ میرے ہی اندرِ دکھائی دیتا ہے
ہم اپنے سر کو بچانے کی بات کیا کرتے
سبھی کے ہاتھ میں پتھرِ دکھائی دیتا ہے

وہ میری آنکھ سے اوچھل ضرور ہے لیکن
مجھے وہ شخص برابرِ دکھائی دیتا ہے

اے چاند یہ تو بتا آسمان کی وسعت سے
تختھے یہ نیلا سمندر دکھائی دیتا ہے

چراغِ جاں سے اندھیروں کو قتل کرنا ہے
اگرچہ سامنے لشکر دکھائی دیتا ہے

کھڑک کا آج ارادہ ہے اے ابادیو
تمہاری چونچ میں کنکر دکھائی دیتا ہے

کبھی کبھار تمنا کے پھول کھلتے ہیں
کبھی کبھار یہ منظر دکھائی دیتا ہے

مرے چراغ کی لو سے ہے روشنی شاہد
یہ راستہ جو منور دکھائی دیتا ہے



نظروں نے دل میں عکس اتارا تھا اور بس
پھر اس کے بعد سارا خسارا تھا اور بس

یوں دیکھتے ہی دیکھتے پتھر کے ہو گئے
ہم نے پلٹ کے تم کو پکارا تھا اور بس

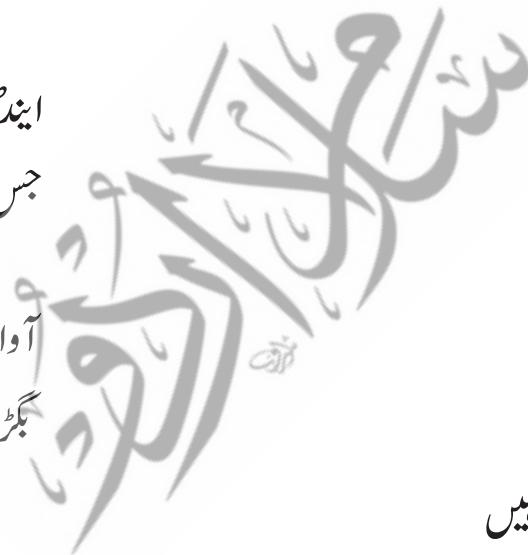


جس وقت ہمیں عشق نے سولی پہ چڑھایا
دشمن بھی وہیں پر تھے وہیں یار ہمارے

ہم نیند کے ماتوں کا مقدر ہی سنور جائے
آجائیں اگر خواب میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے

ایندھن کی ضرورت بھی اُسی سال بڑھے گی
جس سال ہوئے پیڑ ثمر بار ہمارے

آوارہ نگاہی کو ملے سمت کوئی ورنہ
گبڑے ہی چلے جائیں گے کردار ہمارے



دل بدگماں ہے فیصلہ اچھا ہوا نہیں
آنکھوں کو ہے یقین کہ دھوکا ہوا نہیں

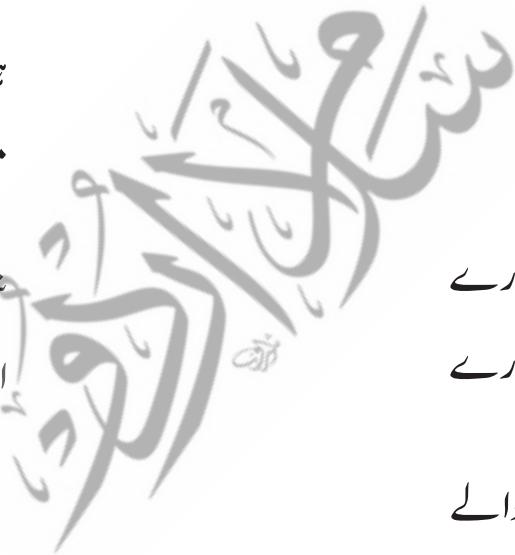
شہر وفا میں تیرگی اتر رہی ہے آج
تو بھی نہیں ہے چاند بھی نکلا ہوا نہیں

ورنہ تو دل میں ایک سمندر ہے موجزن
آنکھوں سے ایک اشک بھی پکا ہوا نہیں

چارہ گرانِ شهر کا احسان نہیں لیا
اچھا ہوا کہ زخم ہی اچھا ہوا نہیں

ہونی کو مانتا ہوں مگر یہ گمان ہے
میرے لئے دیوار پر لکھا ہوا نہیں

شاہد میں اپنے آپ سے کتنا ہوں بدگماں
اور آئینہ بھی سامنے رکھا ہوا نہیں



معدوم جو ہونے لگے آثار ہمارے
بازار میں آنکھ خریدار ہمارے

کس بات سے نالاں ہیں ہمیں چاہنے والے
کس سوچ میں ڈوبے ہیں طلبگار ہمارے

دھڑکا سا لگا ہے کہیں شانوں سے پھسل کر
پیروں میں نہ پڑ جائے یہ دیوار ہمارے

یہ اشک کل کے گلابوں کو روشنی دیں گے
جو آج ہم نے بھائے ہیں تیری بستی میں

فضائے شہر پہ کیسا سرور طاری ہے
یہ کس نے جام لندھائے ہیں تیری بستی میں

سنا ہے پھول سے نسبت کے دعوے دار تھے وہ
جنہوں نے خار بچھائے ہیں تیری بستی میں

وہ لوگ اپنے مقدر پہ ناز کرتے ہیں
جنہوں نے تاج گنوائے ہیں تیری بستی میں

یہ کس نے چاند سا چہرہ چھپا لیا شاہد
یہ کس کی زلف کے سائے ہیں تیری بستی میں

دنیا والوں سے سہولت سے گزارا ہوتا
تم نہ ہوتے تو زمانہ تو ہمارا ہوتا

میں تو دریا تھا تری سمت بھی آ سکتا تھا
تو جو صحراء تھا مجھے تو نے پکارا ہوتا

یہ تو کچھ یوں ہے کہ ہم تم کو میسر ہیں بہت
ورنہ جو حال ہمارا ہے تمہارا ہوتا

حسنِ مستور کو ہم بام پے لے ہی آتے
آنکھ سورج سے ملانے کا جو یارا ہوتا

کارِ الفت سے اگر رنج کے نکل بھی جاتے
عین ممکن ہے ہمیں پھر بھی خسارا ہوتا

مری پلکوں پے لرزتا ہوا آنسو جاناں
ترے رخسار پے ہوتا تو ستارا ہوتا

طاق میں جلتے رہے اور تمنا ہی رہی
سامنا تیز ہواں سے ہمارا ہوتا



◎
ترے خیال سے آئے ہیں تیری بستی میں
مگر جو رنج اٹھائے ہیں تیری بستی میں
تجھے خبر ہے اندھروں کا قتل ہم نے کیا
چراغ ہم نے جلائے ہیں تیری بستی میں

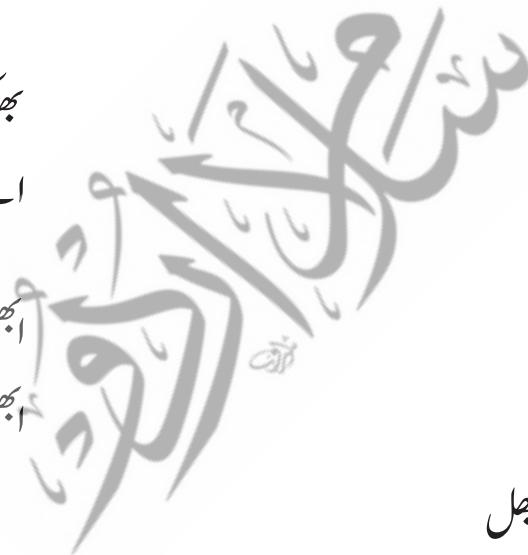
سنا ہے ان کو بھی پتھر بنا دیا تو نے
جو لوگ لوٹ کے آئے ہیں تیری بستی میں

زمانہ چال چل گیا تو کیا ہوا
ٹُپ کی چال تو بھی چل ذرا سنبھل

گزر گیا ہے آج کا یہ دن مگر
ابھی تو ہاتھ میں ہے کل ذرا سنبھل

بھک رہی ہے شام سے ادھر ادھر
اے رات میرے ساتھ چل ذرا سنبھل

ابھی سے ڈمگا رہے ہیں کیوں قدم
ابھی ہے ایک اور تھل ذرا سنبھل



اے میرے بیقرار دل، ذرا سنبھل
نہ اس قدر ابھی مچل ذرا سنبھل

اے خوش جمال آئینے کے پار جا
تو اپنے دام سے نکل ذرا سنبھل

کانٹوں سے پھولوں کا سودا ! کیا کہنے
دل والے گلزار اٹھائے پھرتے ہیں

موت سے جو ڈر جاتے ہیں ، وہ سر اپنا
کاندھوں پر بیکار اٹھائے پھرتے ہیں

دل کا رقص مسلسل جاری رہتا ہے
دھڑکن کا دربار اٹھائے پھرتے ہیں

کم سن بچے بھی اب اپنے ہاتھوں میں
سکریٹ اور نسوار اٹھائے پھرتے ہیں

کل تک جتنے یار تھے شاہد آج سبھی
ہاتھوں میں تلوار اٹھائے پھرتے ہیں



عین ممکن ہے بات سچی ہو
وہ جو کہتی ہے آ نہیں سکتی

دل کی باتیں، کوئی بھی لڑکی ہو
برملا تو بتا نہیں سکتی

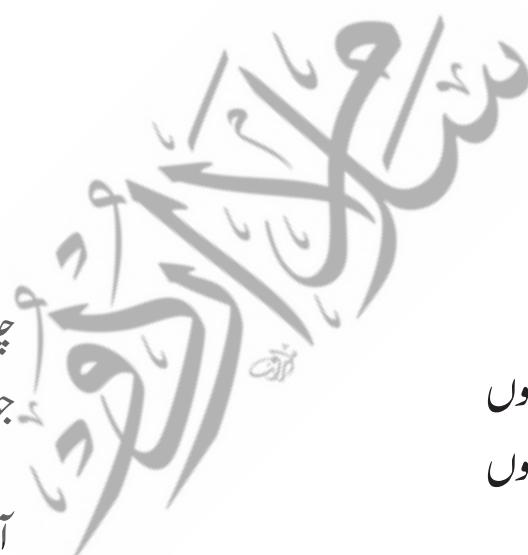
جانتا ہوں کہ تیز بارش میں
وہ دیے کو جلا نہیں سکتی

وقتِ پیری شباب کی باتیں
زندگی گنگنا نہیں سکتی

اپنے جذبوں کی خیر مانگی ہے
اب جوانی تو آ نہیں سکتی



○
 چاک اٹھا گھما نہیں سکتی
 جو بنا ہے مٹا نہیں سکتی
 آئینہ راہ کی رکاوٹ ہے
 دوسری سمت جا نہیں سکتی
 آرزووں کے قید خانے میں
 زندگی مسکرا نہیں سکتی



○
 اپنی روزن سے لگی آنکھ ہٹا سکتا ہوں
 حکم آیا ہے کہ میں آنسو بہا سکتا ہوں
 اب مجھے چاک گھمانے کا ہنر آتا ہے
 میں تری شکل کا اک اور بنا سکتا ہوں
 ماں کی بھیگی ہوئی آنکھوں کا خیال آتا ہے
 ورنہ یہ شہر تو میں چھوڑ کے جا سکتا ہوں

نیند میں ڈوبی ہوئی آنکھ ذرا جاگ تو لے
 میں اسے خواب کی تعبیر بتا سکتا ہوں
 جب تک تم کو میسر ہوں غمیت سمجھو
 میں کسی وقت بھی اب خود کو گنو سکتا ہوں
 ترے جلوؤں کو تجلی سے نوازا میں نے
 میں جو چاہوں تو تری خاک اڑا سکتا ہوں
 مرے رستے میں جو حائل ہے انا کا پتھر
 ایک ٹھوکر سے اسے دور ہٹا سکتا ہوں
 مری قربت تجھے سرشار نہیں کر سکتی
 میں ترے ساتھ ترا ہجر منا سکتا ہوں
 میں اسی زُعم میں کچھ دن سے گھرا ہوں شاہد
 اب تو میں آنکھ بھی، منظر بھی بنا سکتا ہوں

محبت موت کے جیسی ہے یارو
 یہ پہلی بار ہو تو آخری ہے
 ابھی گلچین گزرا تھا یہاں سے
 ابھی دیکھو وہ ٹہنی رو رہی ہے
 چکوریں آسمان کو جا رہی ہیں
 زمیں پر چاندنی پھیلی ہوئی ہے
 کہیں ویرانیوں کا راج شاہد
 کہیں کوئی چمن میں کوتی ہے

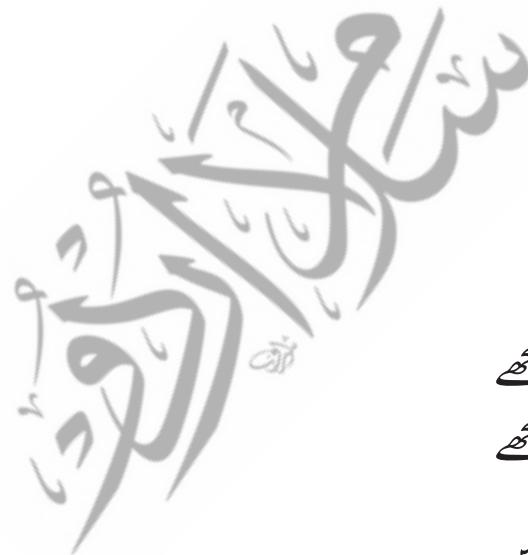


ہمیں یہ رات کیسے کاٹنی ہے
تری تصویر سب کچھ جانتی ہے

در و دیوار محبس بن گئے ہیں
ہوا باہر سڑک پر کھلیتی ہے

تلہم آشنا ہے خامشی بھی
سنو گے تو یہ گونگی بولتی ہے

کسی کا رقص خوشیوں سے مزین
کوئی مجبور ہو کر ناچتی ہے



نگار خانہ ہستی میں ہے قرار مجھے
ٹو آسمان کی بلندی سے اب پکار مجھے
نہیں نہیں میں مکمل ابھی ہوا ہی نہیں
اے کوزہ گرنہ ابھی چاک سے اتار مجھے

خزاں بہار کی آمد کا استعرا ہے
خزاں کی پیشہ ولگتی ہے یہ بہار مجھے

تمہاری آنکھ میں ٹھہرا ملال یاد آیا
کیا ہے آج کسی نے جو اشکبار مجھے
میں پورے طور سے تجھ پہ بھی کھلا ہی نہیں
تو اپنی آنکھ سے دل میں ذرا اُتار مجھے
میں آسمان سے نیچے اتار لاوں گا
کبھی چڑھا جو ترے عشق کا خمار مجھے
بچھڑتے وقت ذرا آنکھ میں بھی نم کر لوں
دو چار اشک مری جان دے ادھار مجھے
کسی کے حرفِ ملامت سے پیشتر شاہد
مرا ضمیر ہی کرتا ہے شرمسار مجھے



مجھ کو وہ حرف عطا ہوں کہ ، مدینے والے
ایک دو لفظ تری شان کے شایاں نکلے
تیرے پہلو کی حرارت سے بھی بڑھ کر جاناں
کئی شعلے میرے پیکر میں ہی رقصان نکلے
دیکھنے والی سبھی آنکھوں کو خیرہ کر دے
آج تو بام پہ وہ حشر بداماں نکلے
تم تو صحراء کو بھی گلزار بنا لیتے ہو
ہم اگر شہر بنائیں تو بیاباں نکلے
میں نے دریا کے کناروں کو جو پیاسا دیکھا
اشک آنکھوں سے مری جان فراواں نکلے





دکھ درد چھپائے رقص کیا
جذبات دبائے رقص کیا
اُس ابرو کی محرابوں سے
مہتاب چڑائے رقص کیا
کچھ تارے گھولے ساغر میں
پھر جام لندھائے رقص کیا
خُوشبو میں لیٹے کاغذ تھے
جو رات جلائے رقص کیا
کچھ دیر تمہارے ساتھ ہنسے
پھر اشک بہائے رقص کیا



عشق آباد، سبھی گھر ترے سُنساں نکلے
تیرے گوچے میں جو ٹھہرے وہ پریشاں نکلے
اے مصور تری حیرت بھی بجا ہے لیکن
اک نظر دیکھ کہ ہم کتنے پشیاں نکلے

کرنوں نے تیرے ہونٹوں سے
کچھ رنگ چڑائے رقص کیا
یوں نام کمایا مقتل میں
تلوار کے سائے رقص کیا
اک منظر آنکھ میں زندہ ہے
کوئی آئے جائے رقص کیا
کچھ دیر کیا موقوف سفر
اور دہر سرائے رقص کیا
بنیاد اٹھائی مسجد کی
اور مندر ڈھائے رقص کیا
کبھی ناچے تیری خواہش پر
کبھی رقص براۓ رقص کیا



تعجب ہے جدھر ہم جا رہے ہیں
اُدھر تو راستہ کوئی نہیں ہے
خدا بھی مطمین بیٹھا ہوا ہے
 مقابل دوسرا کوئی نہیں ہے
اجالے قتل ہوتے جا رہے ہیں
ہوا کو روکتا کوئی نہیں ہے
ہماری آس بھی اور آسرا بھی
محمد ﷺ کے سوا کوئی نہیں ہے
میں محو گفتگو ہوں اور شاہد
یہاں پر دوسرا کوئی نہیں ہے

کچھ پنجھی کالی خواہش کے
کل رات اڑائے رقص کیا
ہم اپنے دیس کے رُسوا نتھے
سو دیس پرانے رقص کیا
یوں ضبط کیا کہ ہونٹوں پر
ترا نام نہ لائے رقص کیا
یہ دنیا داری دکھلاوا
سو روپ بنائے رقص کیا
کل غیر کی محفل میں اُس نے
مرے شعر سنائے رقص کیا



گرچہ آسرا کوئی نہیں ہے
مگر اس کا گلہ کوئی نہیں ہے

سبھی سورج کو اپنا کہہ رہے ہیں
دیے کو پوچھتا کوئی نہیں ہے

جبھی تو سولیاں خالی پڑی ہیں
شہر میں سر پھرا کوئی نہیں ہے



آنکھ کی جھیل میں جگنو کیسے
بھاگ بھری یہ آنسو کیسے
رُوپ کا سورج کب ڈوبا تھا
چاندی ہو گئے گیسو کیسے
چہرے پر تو دو آنکھیں ہیں
منظر دیکھوں ہر سو کیسے
منزل حاصل کر سکتے ہیں
بھاڑے کے یہ ٹو کیسے
آٹا اتنا مہنگا ہے تو
تگڑے ہو گئے باپو کیسے
ٹھیک ہے کشتی ڈوب گئی ہے
اب ہاتھوں میں چپو کیسے

سанс کے استوار کرنے کو
ایک دو پل ٹھہر لیا جائے!
اس کی آنکھوں کے نیلے پانی کو
اپنی چھاگل میں بھر لیا جائے
جی میں آتا ہے اُس کے کوچے میں
اک کرائے کا گھر لیا جائے
جن چراغوں میں تیل باقی ہے
بام پہ ان کو دھر لیا جائے
پیار ہے بھیک تو نہیں شاہد
کیوں بھلا مانگ کر لیا جائے



آج کٹھرے میں ہے ظالم
آج بچے گا بچو کیسے

آج ہوا احساس کہ سر پر
چڑھ کر بولے جادو کیسے

ہو ہو میں جو راز چھپا ہے
راز وہ کھولوں باہو کیسے

آگ لگ دیتے ہیں شاہد
دل پر گرتے آنسو کیسے



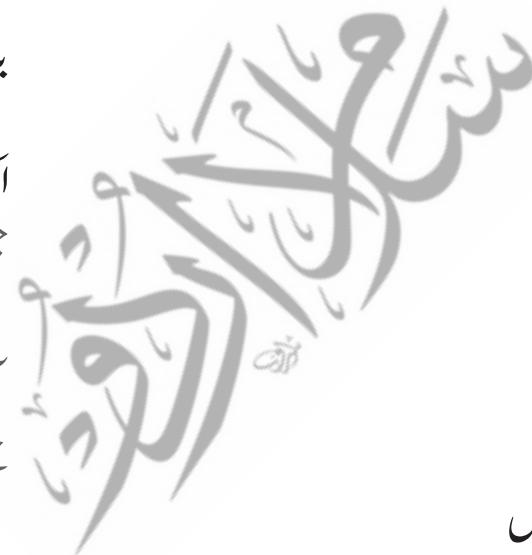
اب یہی کام کر لیا جائے
اپنی مرضی سے مر لیا جائے
آج اپنا قصور نکلا ہے
آج خود کو ہی دھر لیا جائے

یعنی اب شام ڈھلنے والی ہے
یعنی گاگر کو بھر لیا جائے

میں نے دستار چھین لی اس کی
کیا ضروری ہے سر لیا جائے!



رت جگا تھا شراب پی ہم نے
آج تو بے حساب پی ہم نے
اپنے ساغر میں گھول کر ، تیری
یاد کا آفتاب پی ہم نے
ایک کھڑکی کی اوٹ سے نکلا
جس گھڑی ماہتاب ، پی ہم نے
آنکھ کے مخلیں جزیرے پر
جلتے دیکھے جو خواب پی ہم نے
آپ ساتی بنے تو پھر شاہد
چیز اتنی خراب پی ہم نے



اک روگ نیا دل کو لگا لوں تو چلوں
خوابوں کا نگر پھر سے سجا لوں تو چلوں
یہ شکل کہیں اور دکھائی نہیں دے گی
یہ شکل نگاہوں میں بسا لوں تو چلوں



ہے انتہائے شوق سے آگے بھی اک جہاں
لیکن چلو جو عشق سا رہبر لئے ہوئے

یہ اور بات قافلہ دریا کو چل پڑا
ورنہ وہیں تھے ہم بھی سمندر لئے ہوئے

اپنے ہی خاک و خون میں لتھڑی ہوئی ہوا
وہ جا رہی ہے اپنا مقدر لئے ہوئے

شہد کسی نے آخرش پلکیں ہی موند لیں
آنکھوں میں تیری دید کا منظر لئے ہوئے



وہ باب جس میں میری وفاوں کا ذکر تھا
اس کو تری جھاؤں کی دیمک نے کھا لیا

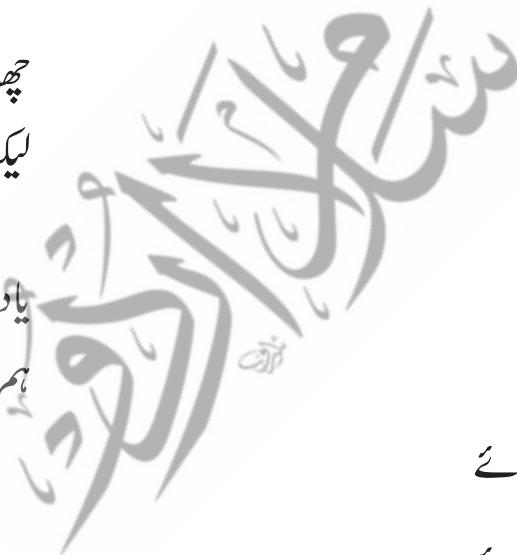
آنکھوں کے سارے خواب تو کرچی ہوئے مگر
اک دردِ لازوال نے ڈیرہ جما لیا

پھپن برس کی ساری کمائی اُجاڑ دی
اک خوب رو پ سارا خزانہ لٹا دیا

پوچھا کسی نے حال تو آنکھیں چھلک پڑیں
چھوٹی سی ایک بات پ دریا بہا دیا

چھوڑا تھا تو نے ہم کو وفاوں کے چوک میں
لیکن ترے بغیر بھی منزل کو پا لیا

یادوں کی کھیتیوں میں جو اگنے لگی کپاس
ہم نے اسی سے ایک مصلے بنایا



قدموں تلے میں سارا سمندر لئے ہوئے
چلتا ہوں آسمان کو سر پر لئے ہوئے

اک ہم نوا کی شہر میں آمد کا شور ہے
ہم بھی کھڑے ہیں ہاتھ میں پتھر لئے ہوئے

آر تو چاندنی سلگتی تھی
وہ جو دریا کے پار تھا کیا تھا
میں زمیں پہ ترا خلیفہ تھا
جو مرا اختیار تھا کیا تھا
پھانس اکنی ہوئی تھی سینے میں
یا یونہی بیقرار تھا کیا تھا
اس قدر بد گمان ہو مجھ سے
اور جو اعتبار تھا کیا تھا
آنکھ پتھر کی ہو گئی شاہد
یہ بھلا انتظار تھا کیا تھا



صدائے شوق ، سکوتِ لبی سے شرمندہ
دروں کا شور مری خامشی سے شرمندہ

میں آج خود کو ذرا سا سنوار لیتا ہوں
کہ آئینے ہیں مری سادگی سے شرمندہ

عجیب دھری اذیت کا سامنا ہے انہیں
کوئی کسی سے تو کوئی کسی سے شرمندہ

ہمارے ہاتھ جو دستک نہ دے سکے در پر
ہمارے ہاتھ رہے اس کجھی سے شرمندہ

ہم اپنی خاک جہاں میں اڑائے پھرتے ہیں
اے شہریار تمہاری گلی سے شرمندہ

ہم اس صدی میں بھی منزل سے آشنا نہ ہوئے
یہ اور بات ہے پچھلی صدی سے شرمندہ

ہے میرے پاس یہ لکنت زده زبان شاہد
اے خوش کلام تری نغمگی سے شرمندہ



وہ کوئی آبشار تھا کیا تھا
نغمہ نو بہار تھا کیا تھا
ضبط کی بات ٹھیک ہے لیکن
کل جو تو اشکبار تھا کیا تھا
تن کو برفاب کر دیا جس نے
وہ شجر سایہ دار تھا کیا تھا
ہاتھ لگتے ہی یوں پچ جانا
وہ بدن شاخسار تھا کیا تھا
چلتے چلتے وہ دفعتاً رکنا
ذہن میں انتشار تھا کیا تھا

کیسے کترا کے خوشی دور نکل جاتی ہے
 جب کبھی ہاتھ مرا اس کی کمر تک پہنچا
 کب تمنا کے شجر میرے شمر بار ہوئے
 کب مرا حرفِ دعا باب اثر تک پہنچا
 کب مرا درد مرے ضبط کی حد سے گزرا
 کب ترا تیر نظر میرے جگر تک پہنچا
 میں نے پھر پوری ریاضت سے تراشا اس کو
 جو بھی پتھر کہ مرے دستِ ہنر تک پہنچا
 ایک مرصعہ جو ترے حسنِ سماعت نے سنا
 ایک مطلع جو ترے حسنِ نظر تک پہنچا



اک لفظ ترے ریشمی پیان میں رکھا
 کل رات ملا میر کے دیوان میں رکھا
 پلکوں کی منڈیروں پہ کئے خواب فروزاں
 اور عشق ترا گوشۂ دامان میں رکھا
 دامن میں ترے نام کی اک گانٹھ لگائی
 یوں میں نے تجھے حلقة، امکان میں رکھا
 کمرے کی آرائش تھی مگر دید کے قابل
 اک سوکھا ہوا پھول تھا گلدان میں رکھا
 پہلے تو ترے خط تری تصویر جلا دی
 پھر یاد کو بھی فالتو سامان میں رکھا



دھرتی کی آسمان کی زمینوں کی خیر ہو
اس شہر بے اماں کے مکینوں کی خیر ہو

کرنے لگے چراغ تو جلنے سے احتراز
روشن رُخوں کی ماہ جپینوں کی خیر ہو

طوفانِ تند و تیز میں لہروں کے دوش پر
جو چل رہے ہیں سارے سفینوں کی خیر ہو

ماہِ رواں تو جلسے جلوسوں میں کٹ گیا
اے سال تیرے باقی مہینوں کی خیر ہو

چلنے لگی ہیں پھر وہی ظلمت کی آندھیاں
محنت کشوں کی خاک نشینوں کی خیر ہو



درد پہلو سے جو نکلا ہے تو سر تک پہنچا
اک مسافر ہے سرِ شام جو گھر تک پہنچا
تجھ سے بخشش کی تمنا ہے ترے بندے کو
تری توفیق سے عاصی ترے در تک پہنچا
میں یہ کہتا ہوں کہ تعبیر بھی پا سکتا ہے
آبلہ پا ہی سہی خواب نگر تک پہنچا

انہی کی خاک مجھے کیمیا بنائی ہے
یہ راستے جو مرے ولولوں کی زد میں ہیں

حصوںِ منزلِ جاناں ہو خیر کچھ بھی نہیں
سفرِ نصیبِ ابھی وسوسوں کی زد میں ہیں

شعورِ شعر و سخن تو ابھی نہیں ہم کو
"زبانِ میر" ترے ذاتقوں کی زد میں ہیں



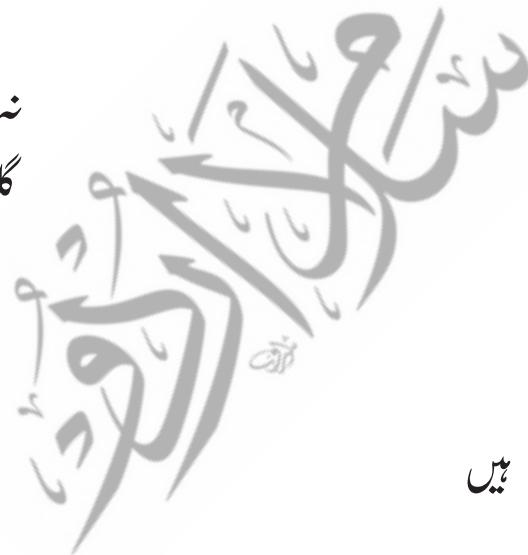
تو آج کیوں نہ کسی خوش ادا سے بات کریں
چراغ چپ ہیں اگر تو ہوا سے بات کریں

یہ کیسا ظلم ہوا ہے خدا کی بستی میں
خدا کے در پہ چلیں اور خدا سے بات کریں

سنا ہے چاند وہیں پر قیام کرتا ہے
کسی کی زلف کی کالی گھٹا سے بات کریں

ہم اپنا آپ بھی ان پر ثار کر دیں گے
اگر وہ ہم سے ہماری رضا سے بات کریں

نہ جانے کتنے طما نچے پڑے ہیں گالوں پر
گلوں سے کس نے کہا تھا ہوا سے بات کریں



درودیوار و مکاں زلزلوں کی زد میں ہیں
تمام لوگ یہاں سانحوم کی زد میں ہیں

یہاں پہ کون سماعت کے بادبائ کھولے
کہ نطق ہائے تیرے ضابطوں کی زد میں ہیں

صدائیں مر رہی تھیں میرے اندر
 میں لڑتا رہ گیا گونگی زبان سے
 سفر کی بیڑیاں پیروں میں ہیں
 کہاں تک آ گیا ہوں میں کہاں سے
 غبارِ آرزو چھٹتا نہیں ہے
 ہمارے اور تمہارے درمیاں سے
 ابھی کردار سازی کر رہا ہوں
 ابھی الجھا ہوا ہوں داستان سے
 میں جھوٹا بھی نہیں ہوں اور شاہد
 منگنا پڑ گیا مجھ کو زبان سے



اٹھا ہوں اس لئے میں خاکداں سے
 مجھے ملنا ہے تیرے آسمان سے
 کسی بر ZX میں اب لٹکا ہوا ہے
 ستارا گر پڑا ہے آسمان سے
 مرا نقص سماعت ہے یقیناً
 رہا نا آشنا تیری اذال سے

میں خود ہی مری راہ کی دیوار بنا ہوں
میں خود کی یہ دیوار گرا لوں تو چلوں

پھر مجھ کو بلا قی ہیں انجان گزر گا ہیں
پیروں پہ جمی دھول ہٹا لوں تو چلوں

جو شب کے مسافر ہیں کہیں بھول نہ جائیں
دیوار پہ اک دیپ جلا لوں تو چلوں

یاروں نے تو بازو ہی مرے کاٹ لئے ہیں
دشمن سے ذرا آنکھ ملا لوں تو چلوں

اس شہر خرابات کے لوگوں سے میں شاہد
کچھ اور مراسم کو بڑھا لوں تو چلوں



اب نفس سے بغاوتیں کیسی
خود کٹائے تھے پر محبت میں

گویا مشکل کشا محبت ہے
گویا کھلتے ہیں در محبت میں

یعنی گردن میں طوق ہوتا ہے
اور لمبا سفر محبت میں

قابلِ احترام ہوتا ہے
جو بھی ہو ہمسفر محبت میں

پچ گیا تو نصیب ہے میرا
جا بھی سکتا تھا سر محبت میں



جو بھی تھے ہم سفرِ محبت میں
ہو گئے معتبرِ محبت میں
تم تو پہلو کی بات کرتے ہو
ورنہ جاتا ہے سرِ محبت میں



○
یہ جو اتنا غبار ہے مجھ میں
کیا کوئی رہگزار ہے مجھ میں
اشک ٹپکے ہیں تو یہی سمجھو
دامن تار تار ہے مجھ میں
زرد موسم کا غم نہیں مجھ کو
دل کہ اک سبزہ زار ہے مجھ میں
خوشبوئیں ہم کلام ہوتی ہیں
ایک ایسا دیار ہے مجھ میں

مجھ کو جھکنے کبھی نہیں دیتا
وہ جو عالمی وقار ہے مجھ میں

مجھ سے اکثر وفا نہیں کرتا
جو مرا رازدار ہے مجھ میں

منزلوں پہ بھی جو نہیں رکتا
کون یہ یقرار ہے مجھ میں

مری آنکھوں میں چھید کیسے ہیں
آئینہ اشکبار ہے مجھ میں

مری سوچیں فگار ہیں شاہد
جیسے اک خارزار ہے مجھ میں



اس قدر دل ہے بے یقین گویا
جیسے تو بھی کہیں نہیں گویا

پاؤں اٹھتے نہیں ہیں اڑتے ہیں
آسمان ہو گئی زمیں گویا

اپنی اپنی ہی ذات کے قیدی
اپنے اپنے ہی ہمنشیں گویا

جیسے تم پر ہی جان دے دیں گے
جیسے تم سا نہیں حسین گویا

یہ ٹھیک ہے کہ سبھی جانثار ہیں لیکن
ذراسی دیر دینے کو بجھا کے دیکھ تو لوں

اندھیری شب کا سفر اختیار کرنا ہے
چراغِ جاں کو ہوا میں جلا کے دیکھ تو لوں

میں مانتا ہوں کہ پتھر ان کا بھاری ہے
میں اس کو ایک دو ٹھوکر لگا کے دیکھ تو لوں

جو تموں تم نے لگایا وہ ٹھیک ہے لیکن
میں مال سوداگروں کو دکھا کے دیکھ تو لوں

○
یعنی ترے مزاج کا یارا نہیں بھی تھا
اس واسطے میں لوٹ کے آیا نہیں بھی تھا

دنیا سے میں نے رابطہ توڑا نہیں کبھی
یہ اور بات کوئی تقاضا نہیں بھی تھا

دیکھو تمہارا بھر مری آنکھوں کو کھا گیا
کہنے کو ایک اشک بہایا نہیں بھی تھا

اس بار ناخدا پہ بھروسا نہ کر سکے
دریا کا خوف اتنا زیادہ نہیں بھی تھا

کچھ میں معاملاتِ محبت سے ناولد
کچھ وہ مرا مزاج شناسا نہیں بھی تھا

شاهد کتاب عمر کا عنوان بن گیا
وہ آرزو کا باب جو لکھا نہیں بھی تھا



بچھڑتے وقت اسے مُسکرا کے دیکھ تو لوں
اے ضبطِ حال تجھے آزمائے دیکھ تو لوں

خیال یہ تھا کہ تجھ سے کبھی نہیں ملنا
خیال یہ ہے کہ اک بار جا کے دیکھ تو لوں

یہ الگ بات کہ یوسف نہیں کرنے آیا
ورنہ ہم مصر کا بازار لئے پھرتے ہیں

اپنے ہونٹوں پہ تبسم کی ضیاء رکھتے ہیں
وہ جو پہلو میں دلِ زار لئے پھرتے ہیں

ایک ہم ہیں کہ اکیلے بھی نہیں جی پائے
ایک وہ ہیں جو دو چار لئے پھرتے ہیں

ان کی آنکھوں میں بھی امید کے گلشن ہوں گے
وہ جو دامن میں بہت خار لئے پھرتے ہیں

نہ بھڑکتا ہے نہ بجھتا ہے یہ پہلو شاہد
ہم اسے ساتھ میں بے کار لئے پھرتے ہیں

○
دل مرا اس شہر میں لگتا نہیں
آشنا بھی آشنا لگتا نہیں

ٹھیک ہے اس نے مجھے دھوکا دیا
ہاں مگر وہ بے وفا لگتا نہیں

سامنے تعبیر بن کر آ گیا
وہ اگرچہ خواب سا لگتا نہیں

چج کھوں تو جان جاتی ہے میری
جھوٹ کہنا بھی روا لگتا نہیں

آنے والے سال میں چھٹ جائے گی
ظلموں کی یہ گھٹا، لگتا نہیں

احتیاطاً طاق میں رکھو دیا
رکنے والی ہے ہوا ! لگتا نہیں

ساقیا آدابِ محفل کیا ہوئے
میکدہ اب میکدہ لگتا نہیں



اپنے حصے کا یہ آزار لئے پھرتے ہیں
کھوکھلے جسم سمجھی یار لئے پھرتے ہیں

جانے کب بزمِ سماعت میں رسائی ہو گی
ہم ترے واسطے اقرار لئے پھرتے ہیں

درد مندوں کو خیر خواہوں کو
واجب الاحترام لکھ دینا

نہ بگڑتا ہوں نہ سنورتا ہوں
میری مٹی کو خام لکھ دینا

ان کی آنکھوں کو جھیل ہی لکھنا
اور ہونٹوں کو جام لکھ دینا

اتنا لکھو کہ ٹھیک ہیں ہم بھی
اور پھر والسلام لکھ دینا

دل دھڑکتا ہے ہر گھڑی شاہد
ہر جگہ ہر مقام لکھ دینا



ہم ایسی ضیاؤں کی تمنا نہیں کرتے
مانگے کے چراغوں سے اجالا نہیں کرتے

جلتے ہیں مگر چھاؤں کے محتاج نہیں ہیں
پیاسے ہیں مگر خواہش دریا نہیں کرتے

یہ عشق ہے اس کھیل کی منطق ہے نرالی
جو ہار بھی جاتے ہیں وہ ہارا نہیں کرتے

امیدِ کرم ان سے نہیں رکھتے تو گویا
سورج سے گھٹاؤں کا تقاضا نہیں کرتے

یہ سچ ہے کہ ہم گھر کے دروازام کے اوپر
کچھ دن سے چراغوں کو جلایا نہیں کرتے

ہر زخم زمانے سے چھپا رکھا ہے یعنی
ہم اہل وفا درد کا چرچا نہیں کرتے

ستے ہیں کہ اب وہ بھی بچھڑ جائے گا ہم سے
جس شخص کو ہم ٹوٹ کے چاہا نہیں کرتے



عاجزانہ سلام لکھ دینا
ان کے در کا غلام لکھ دینا

ہر تمنا کے زرد ماتھے پر
حرستِ ناتمام لکھ دینا

جو دیے بام پر جلائے ہیں
ان کو میرا سلام لکھ دینا



تیری چشم کرم کا پھر جانا
میرا صبر د قرار گم گشته

آنکھ اب بھی تلاش کرتی ہے
فاختاؤں کی ڈار گم گشته

خاک چھانو تو مل سکیں شاید
لعل وہ بے شمار گم گشته

خواہشوں کے غبار میں آخر
آرزو کا خمار گم گشته



روز و شب کا خمار گم گشته
اب ترا انتظار گم گشته

خشک پتوں کا راگ جاری ہے
نغمہ نو بہار گم گشته

شب ہجراء کا طول پوچھو تو
ایک لمحے میں سال رکھا ہے
تم شکاری نہیں ہو مان لیا
یہ جو کمرے میں جال رکھا ہے
گانٹھ سر پہ اٹھائے پھرتے ہو
گانٹھ میں کتنا مال رکھا ہے
عیش و عشت میں کھو گئے ایسے
ہر ضرورت کو ٹال رکھا ہے
اتنے کاہل ہیں ، تم سے ملنا بھی
کتنے سالوں سے ٹال رکھا ہے
گیند ہے ان کی "کورٹ" میں شاہد
فیصلہ ان پہ ڈال رکھا ہے



جستجوئے کمال رکھتا ہوں
یعنی حسنِ خیال رکھتا ہوں
تم بھی تھامو زبان کی لرزش
میں بھی لہجہ سنبحال رکھتا ہوں

کچھ پرندے انا کے پنجھے میں
ایک مدت سے پال رکھتا ہوں

مجھ کو اک بار کھلینا ہے ابھی
میں ابھی ایک چال رکھتا ہوں
یہ سلیقہ عطا ہوا ہے مجھے
سب کو میں حسب حال رکھتا ہوں
خود کو میں نے گنوایا شاہد
تیری یادیں سنپھال رکھتا ہوں



ہم نے اشکوں کو ڈال رکھا ہے
تیرا رستہ اُجال رکھا ہے
ایک فٹو ہے اور خط تیرے
جو اثاثہ سنپھال رکھا ہے
اپنے حصے کی ساری خوشیوں کو
تیرے قدموں میں ڈال رکھا ہے
منتظر ہیں ترے اشارے کے
یعنی سکھ اچھال رکھا ہے
ابنی صورت بگاڑ لی ہم نے
تجھ کو اتنا سنپھال رکھا ہے

○

عشق بھی کیا ہے عاشقی کیا ہے
آدمی کی یہ بے بی کیا ہے
آزمانے کی بات کرتے ہو
ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے

تم تو نازک مزاج ہو یارو
اور یہ راستہ ہے پتھر کا

آنکھ پتھر کی ہونٹ پتھر کے
آدمی ہو چلا ہے پتھر کا

کوئی بولے تو پھول جھڑتے تھے
اب تو لجھ ہوا ہے پتھر کا

یا دعاوں میں نقص ہے کوئی
یا ہمارا خدا ہے پتھر کا

پتھروں کا یہ شہر ہے شاہد
اس نگر ددبہ ہے پتھر کا

آنکھ کی جھیل خشک ہے لیکن
دل کی کھیتی ہری بھری کیا ہے

زندگی میں کوئی کمی بھی نہیں
یہ طبیعت کی بے کلی کیا ہے

لب لعلیں کی تازگی دیکھو
پھول غنچہ ہو یا کلی کیا ہے

زندگی ختم ہونے والی تھی
جب یہ جانا کہ زندگی کیا ہے

ہنسٹے چہرے اجڑ گئے شاہد
ایک وحشت گلی گلی کیا ہے



اب مرا راستہ ہے پتھر کا
پاؤں میں آبلہ ہے پتھر کا

یا مری آنکھ ہو گئی پتھر
یا مرا آئینہ ہے پتھر کا

لے گا ایک زمانہ تمہیں بتانے میں
وہ دل کی بات جو شامل نہیں فسانے میں

مرا ضمیر مرے راستے کا پتھر ہے
لگا ہوا ہوں مسلسل اسے ہٹانے میں

یعنی اُس سے لوگ کُٹرانے لگے
یعنی وہ پچان ہونے جا رہا ہے
وہ ہمارا واعظِ منبر نشیں
میکدے کی جان ہونے جا رہا ہے

کل تک جو آرزو کی جان تھا
وہ ہماری جان ہونے جا رہا ہے

نج رہی ہیں اس لئے شہنائیاں
غم مرا مهمان ہونے جا رہا ہے

دیدھے نمناک اگلے موڑ پر
دیدھے حیران ہونے جا رہا ہے

اگر کہو تو کہانی بیان کرتا ہوں
تمہارا ذکر بھی آئے گا اس فسانے میں

نہ جانے کیسی ہواؤں سے سامنا ہو گا

ابھی تو چین سے بیٹھے ہیں آشیانے میں

زمانے بھر سے لڑائی ہے مولی شاہد

نہ جانے کیا کیا گنوایا تجھے بچانے میں

درد ہی درمان ہونے جا رہا ہے
عشق اب آسان ہونے جا رہا ہے
پھر کسی کا آتشیں رُخ جل اٹھا
پھر کوئی نقصان ہونے جا رہا ہے



مجھے سزاۓ محبت سے ڈر نہیں لگتا
یہ جُم ہے تو مجھے بار بار کرنے دے

دلِ فریب زدہ ایک پل ٹھہر تو سہی
کسی نظر کا ذرا اعتبار کرنے دے

غیرپ شہر تجھے لُوت کر نہ لے جائے
امیر شہر اُسے کاروبار کرنے دے

وہ وصل ہو کہ جدائی کہیں تو بات تھے
کوئی تو راہ مجھے اختیار کرنے دے

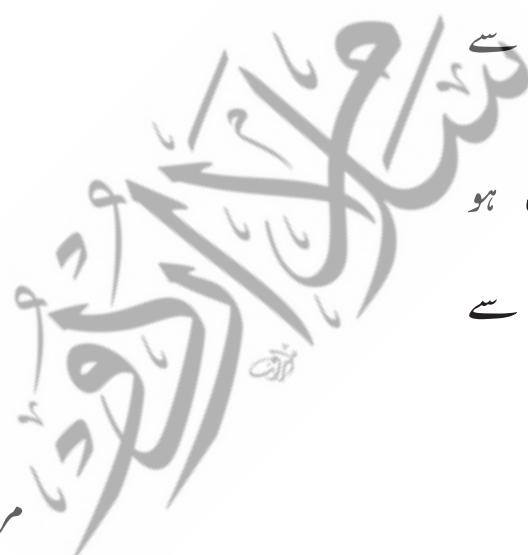


کبھی فریب سے لُٹا کبھی بہانے سے
یہی گلہ ہے مجھے بے وفا زمانے سے

مجھے یقین ہے کہ اب واپسی نہیں ممکن
گریز پاء ہوں مگر کشتیاں جلانے سے

کہیں کسی کا نشیمن رہے، رہے نہ رہے
ہے آسمان کو غرض بجلیاں گرانے سے

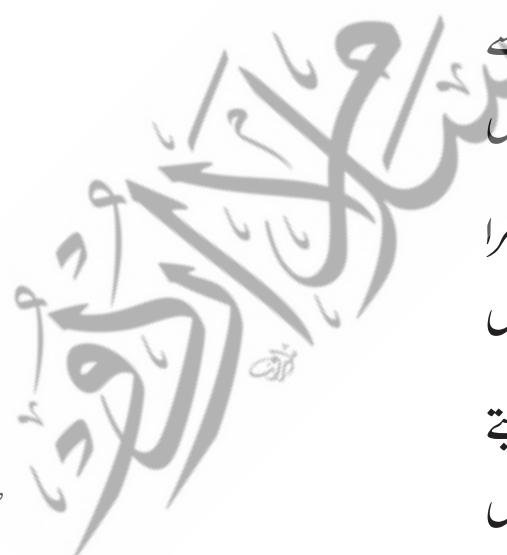
لکھی ہے چہرے کی جھریوں میں داستانِ حیات
جھکی ہوئی ہے کمر بوریاں اٹھانے سے
سفر نصیب، مگر سانس کی تو مہلت ہو
دو ایک پل ہی سہی بیٹھ لون ٹھکانے سے



مری زمیں ہے مجھے ہی غبار کرنے دے
کہ میرے زخم مجھی کو شمار کرنے دے

ابھی علاج تمنا کی آرزو ہی نہیں
یہ رخش عمر مجھے اور بار کرنے دے

اُس کے دامن میں جانے کیا کیا تھا
 رنگ تھے روشنی تھی شعلہ تھا
 کل سر بزم رقص کر بیٹھا
 عشق تھا یا کوئی تماشا تھا



ہاتھ بھی سرد اور لہجہ بھی
 برف کیسی جمی ہوئی ہے میاں
 اس پہ پھل پھول تو یقیناً ہیں
 جو بھی ڈالی جھکی ہوئی ہے میاں
 وہ ذرا مہرباں ہوا جب سے
 درد میں کچھ کمی ہوئی ہے میاں
 جس میں اک بار گھر جلا تھا مرا
 وہ جھٹری پھر لگی ہوئی ہے میاں
 آئینہ دل کا توڑ ہی دیتے
 ایک صورت جڑی ہوئی ہے میاں
 بازوؤں میں لپک یہ کیسی ہے
 کیسے گردن تی ہوئی ہے میاں



بات بھی کیا تھی ایک لمحے کی
اور صدیوں سا ایک لمحہ تھا

پھر مری آنکھ ہو گئی بخیر
بس وہی ایک دن میں رویا تھا

آنکھ تھی یا شراب کی بوتل
ہونٹ تھے یا چراغ جلتا تھا

کاغذی پیرہن تھے پھولوں کے
اور خوبصورت کا رنگ اڑا سا تھا

ہم بھلا حال دل کسے کہتے
اُس نگر ظالموں کا چرچا تھا

○
آگ ہر سو لگی ہوئی ہے میاں
ساری بستی جلی ہوئی ہے میاں
سب کی آنکھوں میں خوف کا پھرا
دل میں دہشت اُگی ہوئی ہے میاں
ایک صحرا ہے اور صحرا میں
خاک میری اُڑی ہوئی ہے میاں
آخری بار ناچنا ہے مجھے
میری سویں سمجھی ہوئی ہے میاں

بچنے والوں کی سمندر کو خبر ہو کہ نہ ہو
ڈوبنے والے سفینوں کو بھور جانتا ہے

یوں تو کہنے کو ریاضت ہے شجر کی لیکن
یہ جو سہنے کا تسلسل ہے ثمر جانتا ہے

ترا لشکر تری طاعت سے گریزاں یوں ہے
تو جو پہلو کو بچانے کا ہنر جانتا ہے

ماں کی چادر کی طرح سایہ فلن ہے لیکن
دھوپ کی تیز تمازت کو شجر جانتا ہے

○
دل مرا بے قرار تھا ہی نہیں
ہاں ترا انتظار تھا ہی نہیں
اُس کی خوشبو تو آ رہی تھی مگر
وہ کہیں آر پار تھا ہی نہیں

ایک مدت کے بعد لوٹا تھا
اور وہ شرمدار تھا ہی نہیں

آنکھ میں پڑ گیا کوئی تنکا
ورنہ میں اشک بار تھا ہی نہیں

اپنی منشاء سے سب کیا اس نے
وہ مرا کردگار تھا ہی نہیں

کتنی چاہت سے وہ ملا مجھ کو
جو مرا یارِ غار تھا ہی نہیں

راستے کھو گئے، مگر کیسے
اس قدر تو غبار تھا ہی نہیں

دل کی کلیاں چٹک گئیں شاہد
نغمہ نو بہار تھا ہی نہیں



مرا پہلو ترا اندازِ نظر جانتا ہے
تیرکس سمت سے آیا ہے جگر جانتا ہے

دیکھئے لوگ بناتے ہیں فسانے کیا کیا
اب مری بات کو سارا ہی نگر جانتا ہے

کہیں کچھ کم نہیں ہے، تم نہیں ہو
اگرچہ سب حسیں ہے، تم نہیں ہو
حصارِ رنگ و بو ہے چار جانب
کوئی تو بالیقین ہے، تم نہیں ہو



چمن سے پھول توڑنے کو با غباں ہی آگئے
سک رہی ہے ہر کلی، نہیں نہیں ابھی نہیں
چراغِ چشم ناز کے بجھے بجھے ہیں کس لئے
وفا کی بات چھڑ گئی، نہیں نہیں ابھی نہیں
فضا یے شب کو چیرتی ہے کوہن کی یہ صدا
زمیں کی کوکھ پھٹ گئی، نہیں نہیں ابھی نہیں
جو لوگ اپنی بیٹیاں زمیں میں گاڑ دیتے تھے
وہ رسم پھر سے چل پڑی، نہیں نہیں ابھی نہیں
اٹی ہوئی ہے دھول سے یہ زندگی کی ریگزد
دیوار جاں بھی گر پڑی، نہیں نہیں ابھی نہیں
حقیقوں کی دھوپ نے بدن ترا جلا دیا
اے خواہشوں کی جل پری! نہیں نہیں ابھی نہیں
بڑھا رہے ہو دوستو چراغِ آرزو کی لو
ہوا سے بات ہو گئی نہیں نہیں ابھی نہیں



علانِ غم کیا کوئی ، نہیں نہیں ابھی نہیں
ہوئی ہے درد میں کمی ، نہیں نہیں ابھی نہیں
جو انجمن کی جان تھا وہ انجمن سے اٹھ گیا
پکارتے رہے سمجھی ، نہیں نہیں ابھی نہیں
اے نامراد شہر کے مہاجر و کھو ذرا
اجڑ گئی گلی گلی ، نہیں نہیں ابھی نہیں
یوں دیکھتے ہی دیکھتے چمن کو آگ لگ گئی
بہار چختی رہی ، نہیں نہیں ابھی نہیں
حسابِ جاں تو کر لیا حیات کے سوداگرو
مجھے بھی کر دیا نفی ، نہیں نہیں ابھی نہیں



میں ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھا ہوا ہوں
مگر جلتی زمین ہے، تم نہیں ہو

دیئے بھی جل رہے ہیں طاچوں میں
یہ سورج بھی وہیں ہے، تم نہیں ہو

گماں ہے بے یقین اور یقین ہے
کہیں کچھ تو کہیں ہے، تم نہیں ہو

یہ دل کا رقص یونہی تو نہیں ہے
کوئی دل کے قریں ہے، تم نہیں ہو

مجھے ایسا گماں ہوتا ہے شاہد
نہیں ایسا نہیں ہے، تم نہیں ہو



تعلق توڑ کر سب سے کنارا کر لیا جائے
کہو تو اس طرح کچھ دن گزارا کر لیا جائے
تعلق توڑ دینے میں ذرا سی دیر لگتی ہے
مگر پھر سوچتا ہوں استخارہ کر لیا جائے



کئی دنوں سے ایک شعر بھی نہیں کہا گیا
عروج یا زوال ہے میں جان لوں تو کچھ کہوں
گو زخم سل گئے مگر کسک تو اور بڑھ گئی
یہ کیسا اندماں ہے میں جان لوں تو کچھ کہوں

کلی چکلنے دیجئے ابھی نہ مجھ سے پوچھئے
یہ زرد ہے کہ لال ہے میں جان لوں تو کچھ کہوں
ردیف اور قافیے نبھا دیئے گئے مگر
غزل بھی لازوال ہے میں جان لوں تو کچھ کہوں
ابھی تو میرے پاس تھا ابھی یہ دل کدھر گیا
یہ زلف ہے کہ جال ہے میں جان لوں تو کچھ کہوں
ہمارے ساتھ یار لوگ پھر سے ہاتھ کر گئے
یا اب کے تیری چال ہے میں جان لوں تو کچھ کہوں



سرِ بازارِ ہنگامہ ہمیں اچھا نہیں لگتا
مگر اس درد کا اب کوئی چارہ کر لیا جائے

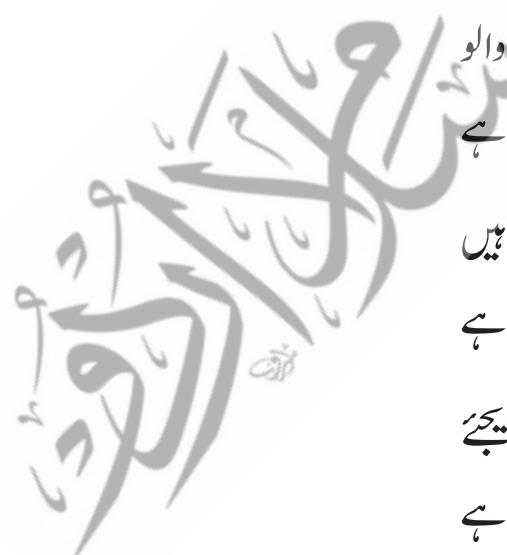
کبھی لشکر کی پسپائی ضروری ہو ہی جاتی ہے
یہ لمحوں کا تقاضا ہے خسارہ کر لیا جائے

کھڑے ہیں ایک مدت سے تمناؤں کے ساحل پر
یہ ٹھانی ہے کہ موجودوں کو کنارہ کر لیا جائے
اندھیری رات کو شاہد کریں ہم اس طرح روشن
ترا جھمکا ترا کنگن ستارہ کر لیا جائے

وہ خواب یا خیال ہے، میں جان لوں تو کچھ کہوں
جو رنجِ ماہ و سال ہے، میں جان لوں تو کچھ کہوں
ابھی مجھے خبر نہیں، میں کس لئے اداس ہوں
جو حُزن ہے ملال ہے، میں جان لوں تو کچھ کہوں
غبارِ آرزو چھٹے تو پھر کوئی خبر ملے
یہ بھر ہے؟ وصال ہے؟ میں جان لوں تو کچھ کہوں
فقیہہِ شہر، ایک جام پی کے دیکھ لوں ذرا
حرام یا حلال ہے، میں جان لوں تو کچھ کہوں



زپر پاء آسمان دیکھو تو
میرا وہم و گمان دیکھو تو
سات رنگوں کی روشنی جیسے
تتلیوں کی اڑان دیکھو تو
دکش و دلشین چہرے ہیں
ہے مگر امتحان دیکھو تو
زہر پیتا ہوں شعر کہتا ہوں
تم مری آن بان دیکھو تو
آگ لگتی ہے تو لگے شاہد
تم گوئے کی تان دیکھو تو



اب ذرا اپنا سُلگتا ہوا دامن دیکھو
تم جو ہر بات پہ کہتے تھے کہ یوں ہے یوں ہے
شدتِ ضبط میں پلکوں پہ لرزتا پانی
یہ کوئی اشک نہیں قطرہ خوں ہے یوں ہے
میں جو مدھوش نظر آتا ہوں دنیا والوں
اسکی مخمور نگاہی کا فسou ہے یوں ہے
کام بنتے ہیں بگڑتے ہیں سنور جاتے ہیں
یعنی اک سلسلہ گن فیکوں ہے یوں ہے
مرے ہستے ہوئے ہونٹوں کو سلامی دیجئے
ورنہ جو حشر پا میرے دروں ہے یوں ہے
تم نے وحشت میں کیا چاک گریاں شاہد
اصل تو بخیہ گری کارِ جنوں ہے یوں ہے



اتنی حیرت سے دیکھتا کیا ہے
میری صورت پہ کچھ لکھا کیا ہے

آئینہ سوچ میں تو ہے لیکن
سوچتا ہوں یہ سوچتا کیا ہے

شور کیسا ہے چوک سے آگے
آؤ دیکھیں معاملہ کیا ہے

دل لگانا کسی حسینہ سے
پھر میں پوچھوں گا حوصلہ کیا ہے



احمد فراز کی نذر

ہم ہیں تہائی ہے اور حالِ زبوں ہے یوں ہے
تم تو کہتے تھے کہ یہ عشق فسوں ہے یوں ہے
اے مرے دیدہ ورو زخم نہ دیکھو میرے
اب مرا دستِ ہنر دستِ جنوں ہے یوں ہے
وہ ترا وصل تھا اک آگ لگا دیتا تھا
یہ ترا بھر ہے اور کیسا سکوں ہے یوں ہے

لوگ پہلو دبائے پھرتے ہیں
 شہر جاناں میں ہو رہا کیا ہے
 اے مرے زود رنج یہ تو بتا
 میں نے تجھ سے بھلا کہا کیا ہے
 کس قدر بوجھ ہے سماعت پر
 میرے کانوں نے یہ سنا کیا ہے
 بھاگتے پھر رہے ہیں سڑکوں پر
 کوئی پوچھے تو مسئلہ کیا ہے
 اس کے آنکھوں کے نیلے پانی میں
 ایک قطرہ یہ لال سا کیا ہے

یعنی اک خواب تھا جو دیکھا تھا
 یعنی یہ واقعہ ہوا ہی نہیں
 ایک لمحہ ہی دل پر بھاری تھا
 ایک لمحہ جو میں جیا ہی نہیں
 اب یہ عالم ہے دل کی حالت پر
 ایک مدت سے میں ہنسا ہی نہیں
 تیر جانے کدھر سے آیا ہے
 پُشت پر تو کوئی کھڑا ہی نہیں
 اہتماماً ملا تو ہوں ان سے
 احتراماً گلہ کیا ہی نہیں

اس کی آنکھوں میں خواب روشن ہیں
اس کی پلکوں پر رت جگا کیا ہے

اے مرے چارہ گر توقف کر
پوچھ تو لے مجھے ہوا کیا ہے

پاؤں اندر ہیں دھیان باہر ہے
سچ بتاو یہ ماجرا کیا ہے

اک مسلسل دھماں ہے شاہد
دھڑکنوں کا یہ سلسلہ کیا ہے

بر ملا تو کبھی کہا ہی نہیں
تجھ سے شکوہ کوئی کیا ہی نہیں
تم نے توڑے ہیں ریشمی دھاگے
چاک ہم نے بھی پھر سیا ہی نہیں
پہلے دل بھی کبھی نہیں دھڑکا
پہلے تو بھی کبھی ملا ہی نہیں
ورنہ حالت سدھر گئی ہوتی
چھوڑ جانے کا حوصلہ ہی نہیں



کسی کے غم کو کوئی بانٹ تو نہیں سکتا
یہی بہت ہے گلے سے لگا لیا جائے

اب مجھے ٹوٹنے کی خواہش ہے
اب مجھے بے شمار ہونا ہے

مری پلکوں پہ لرزتا ہوا آنسو جاناں
ترے رخسار پہ ہوتا تو ستارا ہوتا



ہوائے شام ذرا سا قیام ہو گا نا
چراغِ جاں کو جلاؤں کلام ہو گا نا
بس ایک بات ہی پوچھی بچھڑنے والے نے
کبھی کہیں پہ ملے تو سلام ہو گا نا

رخِ جمال پہ شکنیں ہی جب سمجھی ہوں گی
تو پھر ہمارا رویہ بھی خام ہو گا نا

○
 سبھی سورج کو اپنا کہہ رہے ہیں
 دیئے کو پوچھتا کوئی نہیں ہے
 تعجب ہے جدھر ہم جا رہے ہیں
 ادھر تو راستہ کوئی نہیں ہے
 اجائے قتل ہوتے جا رہے ہیں
 ہوا کو روکتا کوئی نہیں ہے

○
 کسی بزرخ میں اب لٹکا ہوا ہے
 ستارہ گر پڑا ہے آسمان سے
 صدائیں مر رہی تھیں میرے اندر
 میں لڑتا رہ گیا گونگی زبان سے
 غبارِ آرزو چھٹا نہیں ہے
 ہمارے اور تمہارے درمیاں سے

تری بہشت میں حور و قصور ہوں گے مگر
 قرارِ جاں کا بھی کچھ انتظام ہو گا نا
 کبھی کبھار ہی لیکن پکارتے ہیں تجھے
 ہمارا چاہنے والوں میں نام ہو گا نا
 اگر میں آدھا ادھورا ہی لوٹ آؤں تو
 نگاہِ ناز ! وہی اہتمام ہو گا نا

بس ایک بار محبت سے دیکھنا ہے ادھر
 بتاؤ تم سے یہ چھوٹا سا کام ہو گا نا
 چراغ جلتے رہیں یا کہ راکھ ہو جائیں
 تمہارے آتشیں رُخ کو دوام ہو گا نا

ڈھلنے والا یہ آفتاب نہیں
عشق ہے یہ ترا شباب نہیں
آج مجھ کو مری ضرورت ہے
اور میں آج دستیاب نہیں
لب شکستہ ہیں نکتہ چینیوں کے
حسن والے ترا جواب نہیں



پہلے تو ترے خط تری تصویر جلا دی
پھر یاد کو بھی فالتو سامان میں رکھا



نہ جانے کون سے پھولوں کو چھو کے آئی ہے
گلابی ہاتھ میں کالی ہوا کے دیکھتا ہوں



وہ باب جس میں میری وفاوں کا ذکر تھا
اس کو تری جفاوں کی دیمک نے کھا لیا



ہم اس صدی میں بھی منزل سے آشنا ہوئے
یہ اور بات ہے پچھلی صدی سے شرمندہ



نئے امکان ڈھونڈے گی ہماری جستجو شاہد
ہم اب کے در بنا میں گے مگر دیوار سے پہلے



ہونی کو مانتا ہوں مگر یہ گمان ہے
میرے لئے دیوار پہ لکھا ہوا نہیں



تکلم آشنا ہے خامشی بھی
سنو گے تو یہ گونگی بولتی ہے
محبت موت کے جیسی ہے یارو
یہ پہلی بار ہو تو آخری ہے



وقت پیری شباب کی باتیں
زندگی گنگنا نہیں سکتی
اپنے جذبوں کی خیر مانگی ہے
اب جوانی تو آ نہیں سکتی



در جبیب کا رستہ دکھائی دیتا ہے
ہزار شکر ہے اتنا دکھائی دیتا ہے
ہم اپنی آنکھ کا شہتیر دیکھتے ہی نہیں
کسی کی آنکھ کا تنکا دکھائی دیتا ہے
مرے چراغ سے برسوں جو فیض یاب ہوا
مرے چراغ سے، جلتا، دکھائی دیتا ہے



یہ بھی سچ ہے بہت خراب ہوں میں
یہ بھی سچ ہے بہت خراب نہیں
میں تجھے چھوڑ بھی نہیں سکتا
تو مقدر ہے انتخاب نہیں

یہ مرے ہاتھ کی حرارت ہے
کوئی شعلہ یا آفتاب نہیں
دان جو نکلا تو جان جاؤ گے
میں حقیقت ہوں کوئی خواب نہیں

یوں تو میں اجتناب کرتا ہوں
تم پلاو تو اجتناب نہیں



ہوائے شام چلے تو چراغ جلتے ہیں
شفق میں آگ لگے تو چراغ جلتے ہیں
بدن کی آگ جلاتی ہے راکھ کرتی ہے
دلوں میں آگ جلے تو چراغ جلتے ہیں
وہ ہونٹ کھولے تو غنچے چٹک چٹک جائیں
اگر کلام کرے تو چراغ جلتے ہیں



ہم کو بھی مراسم کا سلیقہ نہیں آیا
یاروں نے بھی دیوار اٹھا رکھی ہے دل میں



خزاں بہار کی آمد کا استعرا ہے
خزاں کی پیشوں لگتی ہے یہ بہار مجھے



جن چراغوں میں تیل باقی ہے
بام پہ ان کو دھر لیا جائے



ایک مصرعہ جو ترے حسن سماعت نے سنا
ایک مطلع جو ترے حسن نظر تک پہنچا



اس نے زنجیر کی لمبائی بڑھا دی لیکن
وہ مجھے اذن رہائی نہیں دینے والا



میں اپنا آپ سمیٹوں گا اور چل دوں گا
مجھے نکال کے رکھنا مری کہانی سے

میری شاعری میرا انتخاب



بستی کے لوگ خانہ خرابی پہ تل گئے
تیری نظر کا ایک اشارہ تھا اور بس
دشت وفا میں تیز ہواں کے درمیاں
جلتا ہوا چراغ ہمارا تھا اور بس



سوچوں کا انبار اٹھائے پھرتے ہیں
ہم کتنا آزار اٹھائے پھرتے ہیں
ذہن و دل کے پیچ میں کیسی دوری ہے
کیسی یہ دیوار اٹھائے پھرتے ہیں



اب مجھے چاک گھمانے کا ہنر آتا ہے
میں تری شکل کا اک اور بنا سکتا ہوں



وہ جس کے ایک اشارے پہ لو تھرکتی ہے
اگر وہ رقص کہے تو چراغ جلتے ہیں

یہ زخم دل ہے اسے احتیاط سے رکھئے
یہ زخم پھولے پھلے تو چراغ جلتے ہیں

سکوتِ شام سے نغمات پھوٹتے ہوں جہاں
وہاں پہ ساز بجے تو چراغ جلتے ہیں

ٹھہر ٹھہر کے چلے تو یہ نبض رک جائے
ندی یہ تیز بہے تو چراغ جلتے ہیں

ہماری آنکھ جو سورج کی مثل ہے شاہد
ہماری آنکھ بجھے تو چراغ جلتے ہیں



وہ ایک لمحہ در تپھ میں رونمائی تیری
وہ ایک لمحہ ستاروں سا جگمگاتا ہوا

ندی سے پار اُفق میں وہ ڈوبتا سورج

سنہری شام کے پہلو کو گل گداتا ہوا

ردیف ، قافیہ ، بھروس کی بات کرتا ہے
کسی کے شعر کسی اور کو سناتا ہوا



○
تو جو اتنی دھائی دیتا ہے
تو ہی جھوٹا دکھائی دیتا ہے

اُن کو پورا نظر نہیں آتا
ہم کو آدھا دکھائی دیتا ہے

ہم تو دھیمے سروں کے عادی ہیں
تم کو اونچا سنائی دیتا ہے

کیسے بانٹوں میں درد کے سکے
کون اپنی کمائی دیتا ہے
کاٹ دیتا ہے پر پرندوں کے
پھر وہ اذن رہائی دیتا ہے

جن چراغوں سے رات روشن ہو
ان کو سورج بدھائی دیتا ہے



○
میں رقص کرتا ہوا گیت گنگنا تا ہوا
چلا ہوں دشت کے رستے میں گل کھلاتا ہوا

مرے فراق میں روتے ہیں سب چمن والے
میں پھول تھا کئی شاخوں پہ لہلہتا ہوا

اشک جب میری بصارت کھا گئے
آنکھ کا ایثار بھی سمجھا گیا

دشمنوں کی چال میں آ کر ، مجھے
دشمنوں کا یار بھی سمجھا گیا

روشنی کے ساتھ تھا میرا سفر
اس لئے اس پار بھی سمجھا گیا

جب مرے معیار تک وہ آ گئے
تب مرا معیار بھی سمجھا گیا

جسم پر جب دھوپ کے نشتر لگے
ساپیء دیوار بھی سمجھا گی



جمالِ حسن سے بڑھ کر کوئی جمال نہیں
ترے خیال سے آگے کوئی خیال نہیں

میں اب کی باروہ مہتاب لے کے آیا ہوں
کہ جس کے ڈوب کے مرنے کا احتمال نہیں

تمہارے عارض و گیسو بھی خوبصورت ہیں
مگر وہ حسنِ تکلم جسے زوال نہیں

یہ زخم پھول بنانے کی آرزو ہے مجھے
اسی لئے تو زیادہ بھی دیکھ بھال نہیں

کچھ اس لئے بھی سماعت کے بادباں نہ کھلے
تمہاری رام کہانی جو حسب حال نہیں

ہمیں تو دھری اذیت کا سامنا ہی رہا
وہاں پہنچنے کی وجہ نہیں ہے یہاں وصال نہیں

ہمارا جذب دروں تو مرا نہیں لیکن
ہماری آنکھ میں رنگوں کی اب دھماں نہیں

ہم ایسے لوگ حریقوں سے کیا لڑے ہوں گے
ہمارے ہاتھ میں تلوار ہے تو ڈھال نہیں

میں ایک ایسے قبیلے کا فرد ہوں شاہد
جسے چراغ کے بجھنے کا بھی ملال نہیں

●
بولتا انکار بھی سمجھا گیا
ان کہا اقرار بھی سمجھا گیا

ایک دن حیرت سرائے خواب میں
آنکھ کا آزار بھی سمجھا گیا

سوٹ کی اٹی ترازو جب چڑھی
مصر کا بازار بھی سمجھا گیا